افکارِ اقبال اور روشن خیالی !!!

visit http://quraniscience.com/ to read scientific Facts in Quran

ایم رمضان گوہر

kitaabiyat.blogspot.com

SUPPORT US!

TO HELP US IMPROVE KITAABIYAT

"Ads by Google Urdu Novels Funny SMS Kl 67 Send SMS Urdu Poems

JAN 21, 2010"

visit http://urdulibrary.paigham.net/

for all type of books

and visit http://quraniscience.com/

to read scientific Facts in Quran

YEAH ONLY YOU CAN DO IT...

TELL OTHERS ABOUT US & KEEP VISITING FOR DOWNLOADING THE BEST URDU LITERATURE, ON THE NET.

kitaabiyat.blogspot.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1-	نظم	۴
2-	انتساب	۵
3-	پیش لفظ	۶
4-	تقدیم	۷
5-	دیباچہ	۹
6-	تحریر مصنف	۱۱
7-	اظہارِ تشکر	۱۷
8-	یورپ میں روشن خیالی کا ارتقاء اور حقیقت	۲۱
9-	روشن خیالی اور اقبال	۴۱
10-	روشن خیالی - اشعار اقبالؒ کے آئینے میں	۸۵
11-	اقبال کی اٹھان	۱۲۶
12-	فراموات اقبال - مکاتیب کی روشنی میں	۱۴۵
13-	اقبال کے حضور (سید نذیر نیازی کی کتاب سے چند اقتباسات)	۱۵۹
14-	روشن خیالی اور روشن ضمیری	۱۶۶
15-	اسلام اور روشن خیالی	۱۸۲-۲۰۸

kitaabiyat.blogspot.com

انتساب

محترم و محسن

جناب ڈاکٹر محمد ارشد صاحب

کے نام ---- جن کا میرے دل میں بہت احترام ہے۔
میں خلوص دل سے اُن کے ایمان، عزت اور تندرستی کے لیے
خدا سے دست بہ دُعا ہوں۔

ایم رمضان گوہر

روشن خیالی!!!

لبرل خیال، نعرۂ آزاد ، مستیاں
جوش جنون عقل کی معقول ہستیاں
روشن خیال بہن تو بھائی ہے سیکولر
ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ہوں گی ترقیاں
اس روشنی میں کس طرح زندہ دلی رہے
دیکھیں جو اُن کی غور سے اعلیٰ فروزیاں
اُن کے قریں تو دین بھی ایک فلسفہ ہوا
منطق کی دھوم دھام ہے لوگوں کے درمیاں
عیش جہان ابصری ہے اصل کائنات
رقص و سرود و بادہ و نازک خرامیاں
دل میں ذرا سا جھانک کے دیکھیں تو وہ سہی
کس طرح واضح ہوتی ہیں حاصل نشانیاں
گوہر مرا عقیدہ و مذہب سمیٹنے
اب آ رہی ہیں مغربی روشن خیالیاں

ایم رمضان گوہر

kitaabiyat.blogspot.com

پیش لفظ

'روشن خیالی' کی اصطلاح مشرق ومغرب میں اپنا فکری پس منظر رکھتی ہے۔ تاہم ہر دور میں اس معاصر حالات کے مطابق معانی اخذ کیے گئے۔ یہ ایک المیہ ہے کہ دور حاضر میں روشن خیالی کے عنوان کے تحت کچھ ایسی آزادیوں کے حصول کو مطمع نظر بنالیا گیا ہے۔ جو اسلام کی تہذیبی روایت سے کوئی ربط نہیں رکھتی۔ اسی حوالے سے اقبال بھی ایک حوالہ رہا ہے۔ اقبال کی فکر اور نثری اور شعری کتب کا مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ اقبال نے روشن خیالی کی جو بات کی ہے وہ روشن فکری، روشن ضمیری اور تعمیر خودی کے عناصر سے ترکیب پاتی ہے جس کی اصل اسلام کے بنیادی سرچشموں سے متعلق ہے۔

''مکسل از ختم الرسل ایام خویش
تکیہ کم کن برفن و برگام خویش''
''رومی''

محترم رمضان گوہر صاحب نے اپنی کتاب ''افکار اقبال اور روشن خیالی'' میں اس موضوع سے متعلق وقیع معلومات کو قاری کے لیے جمع کر دیا۔ امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ قارئین کے لیے اضافہ علم اور تشفی ذوق کا باعث ہوگا۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
معاون ناظم ادبیات
اقبال اکادمی پاکستان لاہور۔
۱۷ جولائی ۲۰۰۸ء

تقدیم

ہم برعظیم کے مسلمانوں کے لئے اقبالؒ کی شخصیت قطب نما کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی شاعری ہو یا نثر دونوں میں ایسی آفاقیت پائی جاتی ہے جو انہیں ہر زمان وزمین کا نمائندہ ہی نہیں راہنما بھی بنا دیتی ہے۔ اقبال کے اس آفاقی Dimension کا ادراک رکھنے والے محبان اقبال اپنے اپنے دور کے پیدا کردہ سوالات کا جواب افکار آثار اقبال سے ڈھونڈ لاتے ہیں۔ انہیں قلندران اقبال میں سے ایک اس کتاب کے مصنف ہیں جو اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ روشن خیالی اور روشن ضمیری میں فرق نہ کر سکنے کی وبا نے ہمارے لیے خلط مبحث کی فضا پیدا کر دی ہے۔ جناب محمد رمضان گوہر صاحب نے بڑی محنت اور تحقیق سے یہ علمی مواد جمع کیا ہے جس کے لئے وہ فکر اقبال کے طلباء کے خصوصی شکریے کے حق دار ہیں۔ گوہر صاحب صاحب فکر وعمل کے انسان ہیں۔ ان کے کردار پر زیادہ روشنی ڈالنے کی احتیاج تب محسوس ہوتی جب وہ با کردار ہونے کا حق ادا نہ کر رہے ہوتے۔

مصنف نے کتاب کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا ہے پہلے باب میں وہ روشن خیال کے مبداء ومعاد پر عالمانہ بحث کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ خود یورپ میں یہ اصطلاح کیا معنوی پس منظر اور پیش منظر رکھتی ہے۔ دوسرے اور تیسرے باب میں کلام اقبال کے روشن خیالی کے مفہوم ومطلب کا تعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چوتھے باب میں اقبال کا سوانحی خاکہ ان کی تربیت کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔ پانچویں باب میں اقبالؒ کے فرمودات کی روشنی میں زیر بحث موضوع پر اپنی گوہر فشانی فرماتے ہیں پچھلے باب میں سید نذیر نیازی صاحب کی کتاب ''اقبال کے حضور'' کے چند اقتباسات نقل کیے ہیں۔

kitaabiyat.blogspot.com

دیباچہ

لفظی اعتبار سے ''روشن خیالی'' ایک قابل قدر اور قابل تحسین صفت ہے کیونکہ یہ ترکیب روشنی سے ماخوذ ہے۔ روشنی کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے ہے۔ روشنی کے حوالے سے جو خیال، فکر، تصور، رویہ یا رجحان ظاہر ہو یا تحریر و تقریر میں آئے وہ قابل تحسین ہی ہو گا۔ لیکن شاید دور حاضر کو پاکیزگی راس نہیں آتی۔ دور حاضر کے سیاسی ائمہ کے بہت سے کمالات میں سے ایک کمال یہ بھی ہے کہ انھوں نے نہ صرف الفاظ بلکہ تصورات کا مفہوم بھی الٹ دیا ہے۔ چنانچہ ''روشن خیالی'' کی ترکیب جسے لفظی معنوں کے اعتبار سے ایک قابل تعریف وصف شمار ہونا چاہیے، اب اس کے ڈانڈے اصل دین سے دوری، کسی قدر دین سے بیزاری، آزاد خیالی اور سیکولرزم سے جا ملتے ہیں۔ اس لیے ہر بوالہوس یہ نعرہ لگاتا ہوا نظر آتا ہے کہ ہم بھی ''روشن خیال'' ہیں اور ہمیں ''روشن خیالی'' قابل قبول ہے۔

جناب محمد رمضان گوہر صاحب روشن خیالی کے نشیب و فراز سے بخوبی واقف ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال کی نظم و نثر کا بڑی توجہ سے مطالعہ کیا ہے۔ قارئین ان کی سابقہ اقبالیاتی کاوشوں سے آگاہ ہونگے۔ انہوں نے اقبال کے پیغام کو اور کلام کو واضح اور نکھار کر پیش کرنے کے لئے متعدد کتابیں تالیف کی ہیں۔ اب تک انہوں نے جو کچھ لکھا وہ

ساتویں باب میں روشن خیالی اور روشن ضمیری کے درمیان فرق کو بڑے عمدہ طریق بیان سے واضح کیا ہے اور آٹھویں اور آخری باب کا عنوان ہے اسلام اور روشن ضمیری اس باب میں مصنف روشن خیالی سے نشو نما پانے والی طرز حیات کے چند نمونے بیان کیے ہیں اور یہ ظاہر کیا ہے کہ اس نام نہاد روشن خیالی کو اسلام کے مقابلے میں ایک مہذب طرز حیات بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔ جس میں اسلام کی بنیادی اقدار کو نظر انداز کرنا اور ان اداروں کو ختم کرنا جن میں اسلامی تعلیمات کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے نیز اسلام کی سچائی پر مبنی تعلیمات کو مسخ کرنے کی مذموم سعی شامل ہے۔

اس کے علاوہ اسلامی معاشروں میں بد تہذیبی اور بے حیائی کا کلچر متعارف کرانے کی بھرپور کوشش کی جا رہی ہے۔

ہمارے خیال میں اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس کا مواد اعلیٰ درجے کی فکر بصیرت پر مبنی مشاہدے سے جمع کیا گیا ہے لہذا اس کتاب سے قاری کو نہ صرف معلومات فراہم ہوتی ہیں بلکہ اسے فکر و عمل کی نئی راہوں کی دریافت کا اشتیاق بھی میسر آتا ہے۔ گوہر صاحب کی تصنیفات کی عام خوبی یہ کہ وہ سہل اور رواں ہوتی ہیں۔ قاری پڑھتے ہوئے نہ اجنبیت محسوس کرتا اور نہ ہی اسے غرابت کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب سے اپنی پسند کے کام لے۔

نیاز مند

ڈاکٹر محمد خضر یٰسین

ریسرچ اسکالر اقبال اکادمی پاکستان لاہور

مورخہ ۳ ستمبر ۲۰۰۸ء

kitaabiyat.blogspot.com

تحریر مصنف

مورخہ 8 جولائی 2006ء روزنامہ نوائے وقت کے تعلیمی ایڈیشن میں ایک رپورٹ چھپی جس کے مطابق یکم جولائی سے 3 جولائی 2006ء تک لاہور کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ریسرچ ایجوکیشن اینڈ ڈائیلاگ (آئی آر ای ڈی) نے افکار اقبالؒ کے آئینے میں مسلم معاشرے کو روشن بنانے کے لیے تین روزہ ورکشاپ کا اہتمام کیا۔ اس ورکشاپ میں جنوبی ایشیاء بلکہ امریکہ، کینڈا اور مصر کے سکالرز نے بھی شرکت کی۔ اس پروگرام کی سرپرستی سابق گورنر پنجاب لیفٹیننٹ جنرل (ر) خالد مقبول نے کی جب کہ مرکز میں سابق صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کر رہے تھے۔ پاکستانی نژاد امریکی شہری ڈاکٹر رفعت حسن اس ادارہ کی سربراہ ٹھہری، جو کہ اپنی زندگی کے 34 سال امریکہ میں گزار کر پاکستان کے عوام کو روشن خیالی کا درس دینے کی غرض سے تشریف لائیں۔ موصوفہ انگریزی ادب کی ماہر خاتون ہیں۔ انگریزی اور سیاسیات کی استاد رہی ہیں۔ اس رپورٹ کو حسیب قاضی اور حمنہ پرویز ملک نے مرتب کیا۔

رپورٹ کے مطابق موصوفہ نے اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ برائے تحقیق، تعلیم و مکالمہ کے اعراض و مقاصد بتاتے ہوئے فرمایا۔ 9 ستمبر 2001ء کے امریکہ میں ہونے والے سانحہ کی روشنی میں دنیائے اسلام کو چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا ہم

اقبالیات میں ڈوب کر اور بنظر غائر مطالعہ کر کے لکھا۔ زیر نظر کتاب بھی اسی تسلسل میں سامنے آئی ہے۔ یہ نہ صرف ان کی اقبالیاتی مہارت بلکہ ان کی شخصیت کے دردمندانہ پہلو کو سامنے لاتی ہے۔ ان کی تحریروں میں دردمندی، محبت اور خلوص صرف اسلام، پاکستان اور اقبال کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری تہذیب اسلامی کے لئے فراواں نظر آتا ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے روشن خیالی کی اصلیت پر کلام کرتے ہوئے یورپ میں روشن خیالی کے ارتقاء، مغرب میں روشن خیالی کا پراپس منظر اور پھر اقبال کے بارے میں روشن خیالی کے تصور کو واضح کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے نہ صرف اقبال کے اردو اور فارسی کلام سے مدد لی ہے بلکہ ان کے خطوط سے بھی اپنے موقف کی تائید حاصل کی ہے۔

ان کے خیال میں روشن خیالی کے حقیقی مفہوم کو دور حاضر میں مسخ کیا گیا ہے ورنہ حقیقت میں اسلام سے بڑھ کر روشن خیالی کوئی تہذیب پیش نہیں کر سکتی۔ مجھے امید ہے کہ گوہر صاحب کی یہ کاوش بھی ان کی سابقہ تالیفات کی طرح قارئین میں پذیرائی حاصل کرے گی اور انہوں نے جس جذبے کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے اسے اس کے صحیح تناظر میں سمجھا اور محسوس کیا جائے گا۔

خدا کرے وہ تادیر اپنے علمی اور اقبالیاتی مشاغل کے ذریعے مضامین نو کے انبار لگاتے رہیں۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

لاہور

۱۳۔ اکتوبر ۲۰۰۸ء

kitaabiyat.blogspot.com

مسلم معاشروں کی تشکیل نو کے لیے مجبور ہوئے۔ حسب ذیل مقاصد و اغراض بیان کیے گئے۔

1- پاکستان کو ایک اعتدال پسند، روشن خیال اور عالمی معیار کے مساوی کھڑا کرنا۔

2- نسل نو کی عالمی ضروریات کے مطابق تشکیل کردار کرنا۔

3- نسل نو کو ترقی پسند روشن خیال بنانا۔

4- تفہیم اسلام کی غرض سے ادارہ کے توسط سے مغرب سے ڈائیلاگ کرنا۔

علاوہ ازیں ادارے کے بنیادی مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

1- ملک میں تعلیمی صورت حال کو بدلنا۔

2- روشن خیال اساتذہ کو آگے لانا۔

3- عالمی و بین الاقوامی حالات کے مطابق اپنی نسل کی ٹریننگ کرنا تا کہ وہ دنیوی ترقیوں اور تبدیلیوں سے بہرہ ور ہو سکے۔

مندرجہ بالا ورکشاپ کے اختتام پر متفقہ سفارشات کی روشنی میں ایک ریسرچ پراجیکٹ کے آغاز پر زور دیا گیا جس کے مطابق قاضی نذر الاسلام (بنگلہ دیش) رابندر ناتھ ٹیگور (انڈیا) اور علامہ اقبال کے افکار پر تحقیقاتی کام کیا جائے گا۔ پرائمری سے ہائی سیکنڈری سطح پر اساتذہ کی بڑی کھیپ تیار کرنا تا کہ بچوں میں اقبال فہمی پیدا ہو سکے۔ علاوہ ازیں اسلام کو سمجھنے کے لیے دوسرے مذاہب کی تعلیم بھی دی جائے گی۔ انگریزی زبان کی تعلیم لازمی گردانی گئی۔ میرا ردعمل حسب ذیل ہے۔

- عالمی ترقی اور تبدیلیوں کا اثر اس حد تک تو قابلِ قبول ہے کہ ہماری روحانی اور اخلاقی اقدار معاشرت متاثر نہ ہوں اور دینی و ملی ثقافت محفوظ رہے۔

- رابندر ناتھ ٹیگور ایک ہندو ہے۔ اُس کا فکر و فلسفہ ہندو دھرم کا ترجمان ہے، لہٰذا اقبالؒ اور ٹیگور کے فکر و فن میں قدر مشترک تلاش کرنا چہ معنی دارد؟ پس اس آڑ میں کہیں ہندو فکر و ثقافت کو آگے لانا مقصود تو نہیں۔

- اس رپورٹ کی روشنی میں لگتا ہے کہ کسی سازش کے ذریعے امریکی اور یورپ کی سیکولر مشینری مختلف حیلے بہانوں اور تعلیمی تاویلوں کے حوالے سے پاکستان کی نئی نسل کے معصوم ذہنوں کو سیکولرزم، آزاد خیالی، روشن خیالی، مخلوط طرز تعلیم، اعتدال پسندی، ماڈریٹ اسلام، غیر جہادی کلچر کے زہر سے مسموم کرنا چاہتی ہے۔

- پاکستان کی نظریاتی اساس دو قومی نظریہ ہے۔ ہنود و یہود و نصاریٰ اس بنیاد کو نئی نسل کے ذہنوں سے کھرچ کر پدر و مادر آزاد یورپی تہذیب کے مجہول اور لایعنی خیالات کو ٹھونسنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ فکر اقبال کی نئی تاویلیں کرنے اور عقیدت مندان اقبال کو نئے مفاہیم و معانی کا رنگ دے کر حسب خواہش نتائج اخذ کرنے کی مذموم سازش ہے۔ یہ ساری کاروائی فکر اقبال کے نام پر فکری ڈاکہ ہے۔ اشعار و افکار اقبال جو کہ دینی ثقافت و افکار کے ترجمان ہیں۔ انہیں فاسد و مجہول بنانا مقصد اغیار ہے۔

روز نامہ نوائے وقت میں مذکورہ بالا رپورٹ پڑھنے کے بعد مصنف نے ایڈیٹر مراسلہ نوائے وقت کے نام ایک مراسلہ لکھا۔ جو کہ 25 جولائی 2006ء کو چھپ گیا۔ اس مراسلہ کی تحریر حسب ذیل ہے۔

مراسلہ برائے ''روز نامہ نوائے وقت'' لاہور

kitaabiyat.blogspot.com

افکار اقبال اور روشن خیالی!!!

مکرمی! حال ہی میں وفاقی حکومت کے زیر انتظام قوم کو روشن خیال بنانے کیلئے ادارہ اقبال، تحقیق، تعلیم و مکالمہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ موقر اردو روزنامہ نوائے وقت مورخہ 8 جولائی 2006ء کے تعلیمی ایڈیشن کے حوالے سے اس اقبالی ادارے کے اغراض مقاصد پڑھنے کا موقع ملا۔ بنیادی طور پر اس ادارے کے ذریعہ سے اقبال کی روشن خیالی اور ترقی پسندانہ فکری استدلال کو عام کر کے نئی نسل کے ذہنوں کو نام نہاد روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے زہر سے مسموم کیا جائے گا۔ اس طرح نونہالان ملت کی عالمی ضروریات کے مطابق تشکیل کردار کی جائے گی۔ اس سلسلے میں حسب ذیل گذارشات وضاحت طلب ہیں۔

(1) کیا اس ادارے کے قیام سے قبل ملک میں قائم دیگر اقبالیات کے اداروں سے رجوع کیا گیا تاکہ افکار اقبال کی اشاعت سے متعلق ہم مقصدی اور ہم آہنگی پیدا کی جا سکے۔

(2) پچھلے دنوں لاہور میں یکم جولائی سے 3 جولائی تک اس ادارے کے اغراض و مقاصد کے بارے میں ایک مشاورتی ورکشاپ منعقد کی گئی۔ اس ورکشاپ میں دنیا بھر کے بلکہ خصوصی طور پر بھارت کے اسکالروں کو تو مدعو کیا گیا مگر ملک کے مایہ ناز اور متوازن سوچ رکھنے والے ماہرین اقبالیات کو دعوت نہیں دی گئی۔ علاوہ ازیں اجلاس کی کاروائی خفیہ رکھی گئی۔

(3) ہنگامی بنیادوں پر قائم ہونے والے اور نئی نسل کے ذہنوں پر روشن خیالی کی مخصوص چھاپ لگانے والے اس اقبال ی ادارے کے پیچھے کوئی بین الاقوامی فکری پالیسی کارگر تو نہیں؟

(4) کہیں اس ادارہ کے قیام سے افکار اقبال پر ڈاکہ ڈالنا تو مقصود نہیں۔

(5) کہیں دینی مسلک اور ملی کلچر کو متنازعہ بنانا اس ادارے کی ترجیح تو نہیں۔

(6) اس ادارے کے قیام کیلئے کروڑوں روپے کے فنڈز کا اہتمام کیا گیا ہے حالانکہ ملک مالی طور پر اس پوزیشن میں نہیں ہے۔

اقبالیات کا ایک نہایت ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اقبال اساسی اور بنیادی طور پر مفکر اسلام تھے اور ان کی شاعری توحید و رسالتؐ کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان کی جدت پسندی، ذوق جستجو، آئین نو کی روش، نئے آفاق کی تلاش، برداشت، رواداری، روشنی خیالی اور اعتدال پسندی سے متعلق فکر اتنی بے لگام اور پدر و مادر آزاد نہیں ہے جس قدر دلدادگان تہذیب مغرب سمجھ بیٹھے ہیں۔

گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

بعد میں پتہ چلا کہ موصوفہ مذکورہ کو ادارے کی سربراہی سے سبکدوش کر دیا گیا اور یہ ادارہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی سے منسلک کر دیا گیا۔ بہرحال مصنف نے مذکورہ روشن خیالی کے پرچار اور ایجنڈے سے اتفاق نہ کرتے ہوئے کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے امریکہ اور مغرب کی سیکولر روشن خیالی کس نقطہ نظر سے دیکھا ہے۔ وہ مندرجہ بالا میرے تنقیدی حوالوں سے واضح اور ظاہر ہے۔ دوران تحریر میں نے حتی الوسع بھرپور کوشش کی ہے کہ اقبال کے تمام ممکنہ حوالے اکٹھے کر کے مغربی روشن خیالی کے یہ ستاروں پر ثابت کر دوں کہ اقبال روشن خیالی کا نہیں بلکہ روشن ضمیری کا پیروکار

kitaabiyat.blogspot.com

ہے۔ اقبال اپنی ثقافتی تہذیبی، تمدنی اور دینی اقدار کے علاوہ اپنی تاریخی روایات کی روشنی سے روشنی حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنی خودی کی شناخت کر کے عشق و آرزو کا سفر جاری کرنے پر بضد ہے۔ وہ مادی ترقی کا خواہاں ہے مگر روحانی اقدار کی برتری اور رہنمائی کا قائل ہے۔

میری گذارش ہے کہ حکومت وقت اقبالؒ کے کلام وافکار کی ترویج واشاعت اور تفہیم کے لیے باضابطہ ایک منشور کا اعلان کرے اور اسے تعلیمی پالیسی کا حصہ بنایا جائے تاکہ اس مملکت خداداد کی نئی نسل افکار اقبالؒ کی روشنی سے کماحقہ خود کو منور کر سکے۔ میں اقبالیات کا ایک طالب علم ہونے کے ناطے وثوق سے یہ بات کہنا چاہتا ہوں کہ اقبال کی شاعری، فرمودات اور فلسفہ اہالیان پاکستان اور اذہان نسل نو میں تدبر قرآنی، فکری استعداد اور ارتقائی بصیرت پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ علاوہ ازیں عالمی امور، سائنسی شعور، حقائق و معارف کائنات، عالمگیریت، احترام آدمیت اور مغربی استعماریت واستحصالیت کے مفاہیم سے آگاہی حاصل ہوگی۔

مرد حر از لاالہ روشن ضمیر
می نہ گردد بندۂ سلطان و میر

ایم رمضان گوہر

لاہور

۱۵-۱۲-۲۰۰۸

اظہار تشکر

کتاب کی تیاری کے سلسلہ میں مجھے بغرض مطالعہ کئی ماہ تک اقبال اکادمی جانا پڑا۔ میں ناظم اقبال اکادمی محترم محمد عمر سہیل صاحب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ دوران مطالعہ ہر مطلوبہ سہولت سے نوازا گیا۔ جناب ڈاکٹر محمد خضر یٰسین صاحب ریسرچ سکالر اقبال اکادمی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ''یورپ میں روشن خیالی کا ارتقاء اور حقیقت'' کے بارے میں میری خاص طور پر رہنمائی فرمائی اور مزید یہ کہ کتاب کا دیباچہ لکھا۔ محترم ڈاکٹر طاہر حمید تنولی معاون ناظم ادبیات اقبال اکادمی بھی میرے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مختصر دیباچہ بہ انداز سہل ممتنع لکھا۔ محترم ارشاد الجیب شیخ معاون ناظم اقبال اکادمی کے دست تعاون کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے دوران مطالعہ مطلوبہ مدد فرمائی۔ آخر میں اقبالیات کے مایہ ناز محقق اور ریسرچ سکالر پروفیسر جناب ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی صاحب کا بھی تہہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے میری ہمیشہ حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس بار بھی انہوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر از راہ شفقت میری کتاب کا دیباچہ تحریر فرما کر کرم فرمائی کی۔

مجھے امید ہے کہ مستقبل میں مغربی آزاد روی، روشنی خیالی، بے اخلاقی، بے راہ روی اور عقیدت مندان کعبہ منطق وشعور کے خلاف میری یہ حقیر کی سی کوشش قابل توجہ ہوگی۔

ایم رمضان گوہر

لاہور

۱۵-۱۲-۲۰۰۸

kitaabiyat.blogspot.com

گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد

kitaabiyat.blogspot.com

یورپ میں روشن خیالی کا ارتقاء اور حقیقت

کولیر ڈکشنری کے مطابق روشن خیالی یورپ میں اٹھارویں صدی کی فلسفیانہ تحریک ہے جو روایتی مذہبی عقیدوں کے خلاف شعوریت اور زندیقیت، کے خصائص رکھنے کے علاوہ سائنس کے تجرباتی اصولوں پر دارومدار رکھتی ہو۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹینکا جلد چہارم کے حوالے سے یہ کہا گیا ہے کہ روشن خیالی سترھویں اور اٹھارویں صدی میں یورپ کی عقلی تحریک ہے جس میں دنیاوی نقطہ نظر خدا، شعور، فطرت اور انسان سے متعلق خیالات میں اشترک پیدا کر دیا گیا ہے۔ اس نقطہ نظر نے قبولیت عامہ حاصل کی جس کی بنا پر آرٹ، فلسفہ اور سیاسیات میں انقلابی ترقی وقوع پذیر ہوئی۔ اس روشن خیالی کا مرکزی نقطہ نظر شعور یا عقل تھا۔ شعور وہ طاقت ہے جس کی بنا پر انسان کائنات کی پرکھ کرتا اور اپنی صورت حال کو بہتر طور پر نکھارتا ہے۔ عاقل انسان کے مقاصد علم، آزادی اور خوش خیالی کیے گئے۔ سب سے پہلے عقل کی قوت اور استعمال کو قدیم یونان کے فلاسفروں نے دریافت کیا جنھوں نے فطرت کی باقاعدگی اور فطین ذہن کی کارکردگی کی شناخت کی۔ روم والوں نے یونان کے خیالات کو اپنایا اور یونانی ثقافت کے بہت سارے حصے کو محفوظ کیا، خاص طور پر

kitaabiyat.blogspot.com

فطری قوانین کی معقولیت کو۔ اسی مذکورہ انسائیکلو پیڈیا کی اٹھارویں جلد بابت یورپین ہسٹری اور کلچر کے تحت روشن خیالی ایک تحریک کے ساتھ ایک ذہنی صورت حال تھی یہ مدت یورپ کی شعوری تاریخ کی ایک حالت ہے۔ یوں کہیے کہ یہ تحریک بہتر دنیا کی تلاش کی ممکناتی صورت تھی۔ روشن خیالی ذہن کی کشادگی اور بہتری گردانی گئی۔ توہم پرستی اور جہالت سے چھٹکارا روشن خیالی کی لازمی خصوصیات تھیں۔ روشن خیال مفکرین کے نزدیک آزاد خیالی، تحمل اور احترام قانون میں روشن خیالی کا مدعا ابھرا۔ روایتی عقیدوں کی اتھارٹی کو عقل و منطق اور تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا گیا۔ ہر طرف یونانیوں کی خدمات اور تحقیق کو سراہا گیا جنہوں نے حسب ذیل دریافتیں معلوم کیں۔

۱۔ فطرت میں باقاعدگی

۲۔ اور اس کے رہنما اصول

۳۔ عقلی ذہن

رومنوں نے بھی یونانی ثقافت اور آرٹ کی طرز کو اپنایا مگر نئے طرق کار سے۔ اخلاقی عقائد کی بنیاد بھی عقل پر استوار کی گئی۔

انسائیکلو پیڈیا بابت مذہب اور اخلاقیات جلد پنجم میں مذکور ہے کہ روشن خیالی کا آغاز ہابز سے ہوا (۱۶۷۹۔۱۵۸۸)۔ روشن خیالی خوش امیدی اور رجائیت پسندی کی پیغام بر تھی جس کی رو سے عقل تمام انسانی مسائل کا حل اور تمام بیماریوں اور ناسازگاریوں کے خاتمہ کے لئے کافی تھی۔ روشن خیالی کے راہنما امور حسب ذیل تھے۔

۱۔ فطری حقوق

۲۔ آزاد خیالی اور تحمل

۳۔ معقول عیسائیت

۴۔ فطری مذہب

روشن خیالی گذشتہ توہم پرستوں اور عقیدوں کے برخلاف خاص طور پر معقولیت پسند رویے پر منحصر تھی۔ سیکولرزم اور منطقیت بھی اسی کا خاصہ تھی۔ انسانی جذبے کو ماضی کی روایت پسندی اور اختیارات سے اسی نے آزادی دلائی۔

انسائیکلو پیڈیا آف سوشل سائنسز جلد ششم کے بموجب انگلینڈ، فرانس اور جرمنی میں سترھویں اور اٹھارویں صدی میں روشن خیالی نے جنم لیا۔ روشن خیالی سے مراد عقل و شعور کو عزم اور حوصلے سے استعمال میں لانا ہے۔ شعوریت اور سمجھ کی طاقت ہی تمام روشن خیالی کی بنیاد ہے۔ روشن خیالی کے تمام رجحانات کا بنیادی خیال یہی کیفیت ہے کہ انسانی سمجھ اپنی طاقت کے بل بوتے پر اس قابل ہے کہ مافوق القدرت کی مدد کے بغیر دنیا کا نظام ادراک میں لا سکے اور دنیا کو سمجھنے کا یہ نیا طریق کار اس کو تسخیر کرنے کا ایک نیا راستہ کھولے گا۔ مذہبی صداقت کسی اور صداقت کی طرح صرف اسی لحاظ سے یہ شناخت کا حق رکھتی ہے۔ جب کہ یہ خالصۃً عقل کے اصولوں پر پوری اترتی ہو۔ صرف عقل کی کسوٹی پر پرکھا جانے والا اخلاقی مذہب معتبر ہے۔

انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی جلد اول اور دوم کی رو سے روشن خیالی بنیادی طور پر یورپ میں خاص رجحانات کی بنا پر جس کی جڑیں پندرھویں اور سولھویں صدی کے احیائے علوم کی تحریک سے وابستہ تھیں روشن خیالی پھوٹی۔ مغرب میں اٹھارویں صدی کی تحریک ہے۔ یہ ایک ثقافتی تحریک ہے مغرب میں اس کا تعلق مروجہ فلسفہ سے ہے روشن خیالی اور شعوریت آپس میں متبادل ہیں۔ تاہم مغربی ثقافت کے بعض

مورخوں کے نزدیک شعوری دور سترھویں اور اٹھارویں صدی تک محدود ہے اور روشن خیالی کا عرصہ اٹھارویں صدی تک۔ اس عرصہ مین شعوریت کے رجحانات اور خصوصیت ظاہر کرنے والے تخلیات عوام تک پھیل چکے تھے۔ اٹھارویں صدی میں عوام نے روشن خیال فلاسفروں کی نسبت صحافیوں دانشوروں اور چلتے پھرتے جوان مقرروں سے حاصل کی۔ یہاں بھی روشن خیالی کے تحت عقل یا شعور، فطرت اور تعمیر و ترقی کے الفاظ نمایاں ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف امریکانا کے نقطہ نظر سے روشن خیالی کی اصطلاح اٹھارویں صدی میں جو مورخوں نے استعمال کی جس میں انسانی تصور حیات کے ایک پہلو کو بیان کیا گیا ہے عام طور پر اس سے مراد انگلستان، جرمنی، اٹلی اور فرانس میں اساسی فلسفہ کا اطلاق تھا۔ حقیقت میں یورپی، دانشوروں کے مطابق اس تحریک کا مقصد ذہن کو جہالت، بغیر تفتیش شدہ اتھارٹی اور چرچ یا ریاست کے ظلم وستم سے آزاد کرانا مقصود تھا۔ روشن خیالی معاشرتی روایت کے خلاف انفرادیت، تجربہ اور سائنسی مقبولیت کا ابھار تھی۔ اس روشن خیالی کی تحریک کی کئی کئی شاخیں نمونہ پذیر ہوئیں مثلاً مذہبی، سیاسی سائنسی اور اخلاقی حتےٰ کہ جمالیات سے متعلق بھی۔ اس تحریک نے خاص طور پر عقیدہ اور الٰہیات کے جبر سے انسانی ذہن کو آزاد کرانے کی ذمہ داری لے لی تھی۔ لہٰذا الٰہیات اور چرچ کو للکارا گیا۔ اس کے بعد قدیم نظام کے سارے ادارے اس میں شامل ہوگئے۔ ہر طرح کے خیال یا تصور کو جانچ پڑتال کر کے سائنسی تحقیق سے متعلق کر دیا گیا۔ روشن خیالی کے مفکرین میں ملحدین، دین فطرت کے ماننے والے اور آزاد خیال عیسائی بھی شامل تھے اس تحریک کی بنیاد میں مسیحی دنیا کے نقطہ نظر کو

سیکولرزم کے ساتھ بدلنا تھا۔ اگرچہ عام طور پر سماجی اور اخلاقی ضرورت کے حوالے سے معاشرے کے حقیر لوگوں کے لیے مذہب کو ضروری سمجھا گیا۔ مسیحی استدلال و منطق کے ساتھ مشابہت کے باوجود روشن خیالی کی تحریک کے نتائج اور روح عیسائیت کے خلاف تھی۔ روشن خیالی کی تحریک سے متعلق سترھویں صدی کے فلسفہ نے ڈسکارٹ اور پیری کی سائنسی مادیت کے ظاہر کردہ رجحان کو جاری رکھا۔ انگلستان میں روشن خیالی کے مفکروں نے شعوریت اور فطرت پسندی کے نئے انداز پر زور دیا جو کہ تھامس ہابز، شافٹس بری اور برنارڈ منیدی ویل نے واضح کیا تھا۔ ان تمام نے فرانس کے فلاسفروں کو بڑی حد تک متاثر کیا۔ علاوہ ازیں سترھویں صدی کی بہت اہم انگریز شخصیات جاہن لاک اور ساک نیوٹن پر مشتمل تھیں۔ دوسرے اشخاص جنہوں نے روشن خیالی کی تحریک کو متاثر کیا لیبنز اور سپنوزا تھے۔ فرانس میں برنارڈ فونٹ نیلی اور پیری بائیل اہم شخصیات تھیں جنہوں نے اس تحریک کو نیا انداز دیا۔ فانٹ نیلی نے خدا کے حاضر ناظر ہونے کا انکار کیا اور اس نے کہا کہ انسان ذاتی مفاد اور شہرت کی خواہش پر متحرک ہوتا ہے۔ پیری بائیل نے نتیجہ اخذ کیا کہ خدا اور مذہب سماجی حوالے سے ضروری نہیں ہیں۔ ۱۷۴۹ء میں جارج بوفن نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ''ہسٹار نیچرل'' کی پہلی جلد شائع کی۔ اس کا موضع تھا کہ فطرت مظہر قدرت (Phenomenon) کا جانا ہوا علم ہے جسے خدا اور ماورا الطبیعات کے بغیر قوانین میں ڈھالا جاسکتا ہے۔

اگر تاریخ ماضی کو بغور دیکھا جائے تو یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ از منہ وسطیٰ کا زیادہ تر سرمایہ دینیاتی تھا۔ انسان روح کی حیات باطنی میں غرق

kitaabiyat.blogspot.com

رہا۔ دنیائے مادہ کی ترقی پر جمود طاری رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ علوم فنون میں ترقی ہوتی گئی اور کائنات کے خفیہ راز انسان پر واضح ہونے لگے۔ نشاط جدیدہ کی علمی تحریک اور انسان کی ذہنی افق کی توسیع نے مذہبی زندگی پر اثر کیا۔ نئے تجربات، تحقیقات اور انکشافات ہونے لگے۔ اصلاح کلیسا ہونے لگی۔ کہا جانے لگا کہ مذہب فطرت انسانی پر مبنی ہو۔ ہر شے کی بنا جدید علم فطرت پر ہونی چاہیے۔ فطرت کا میکانکل علم اطالوی شہروں کی کامیاب صفت وحرفت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔ جدید نظام کائنات کے ارتقاء سے نئی سائنس کا راستہ صاف ہوا۔

سولھویں صدی نظامات عظیمہ سے متعلق ہے۔ نئے خیالات وانکشافات ظہور پذیر ہوئے۔ ثروت حقائق وافکار کی تنظیم وترتیب استوار ہوئی۔ یہ زمانہ منظم و مرتب حقائق افکار کو اساسی تصورات، میں تحویل کرنے کا زمانہ تھا۔ فطرت کی جدید میکانکی کی توجیہ کی گئی۔ فکر کے لیے طبیعی اور ذہنی مظاہر کے باہمی تعلق کا مشکل حل طلب ہوگیا۔ طامس ہالیس نے نیچرل سائنس ہی کو تمام ہستی کے علم کی بنیاد قرار دیا۔ نشاط جدیدہ کے علوم سے فکر انسانی نے مختلف صورتوں اور سمتوں میں زندگی کے مسائل عظیمہ پر طبع آزمائی کی۔ معلوم ہوا کہ فطرت کے قوانین اور انسانی زندگی سے متعلق انسان عقل کے ذریعے بصیرت حاصل کرسکتا ہے۔ اطالیہ میں پندرھویں صدی اور شمالی ممالک میں بعد کی سولھویں صدی میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جو فطری مذہب کو کافی یا ضروری خیال نہیں کرتا تھا۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں آزاد خیالی کی اصطلاح انگریزی ادب میں در آئی۔ اس صدی میں آزاد خیال کہلوانے والے کثیر تعداد میں پیدا ہوئے۔

یورپ میں نشاط ثانیہ یعنی احیائے علوم کا دور تیرھویں صدی سے لے کر سترھویں صدی تک رہا جس کی بنا پر جدید دور کا آغاز ہوا جس میں انفرادی آزادی جنم پذیر ہوئی، خیالات میں تبدیلی آئی اور اٹلی، نیدرلینڈ، سپین، فرانس، جرمنی اور انگلستان میں زندگی گزارنے کے طریقے بدل گئے۔ سرمایہ دارانہ نظام آیا اور یورپ میں مالدار طبقہ پیدا ہوا۔ ثقافتی اور ذہنی سطح پر تبدیلیاں آئیں۔ سیکولر طرز حیات کو اجاگر کیا گیا۔ اب انسان اس قابل ہوگیا کہ وہ روایتی مذہبی اقدار ونظریات کے بغیر بھی گزارہ کر سکتا تھا۔ یونان اور رومن فلسفہ نے نشاط ثانیہ کے ذریعہ انسان کو جامع اور مکمل سیکولر طرز حیات دیا۔ نشاط ثانیہ کا پیغام یہ تھا کہ انسان جدید دنیا میں ہر طرح سے عقل اور شعور کو استعمال میں لاکر گزارہ کرسکتا ہے۔ عقل اور سمجھ کی حدوں سے آگے جانا ان کے لیے محال اور ناممکن تھا۔ وہ دنیا کے عیش وعشرت اور لذتوں تک ہی رہے۔ مابعد الطبیعات کے بارے میں سوچنا ان کے لیے بیکار تھا۔

گذشتہ چار پانچ صدیوں میں تحریک احیائے علوم کی ابتداء سے لے کر دور جدید تک مغرب میں جتنے فلسفے منصۂ شہود پر اجاگر ہوئے وہ بقول اقبال "تمام کے تمام لادینی فلسفے تھے جنکا تعلق اس مادی دنیا سے تھا۔ نئے علوم وفنون اور سائنس وٹیکنالوجی کی بدولت کائنات تسخیر ہونے لگی۔ مذہب کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔ تجربہ، عقل، مشاہدہ تجزیہ اور شعوریت آگے آئے۔ ماورا الطبیعات کو یکسر نظر انداز کرکے خالص عقل ومنطق کو سراہا گیا۔ مغربی تہذیب کی اٹھان لادینیت پر ہے۔ روشن خیالی کا مادی اور حسی کلچر اپنایا گیا۔ مذہب، روحانی اقدار اور تصور خدا سے بیگانگی اختیار کی گئی۔ مغرب نے سیکولرزم بطور ریاستی پالیسی کے اپنالیا ہے۔ روشن خیالی اور سیکولرزم کا آپس

kitaabiyat.blogspot.com

میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ انیسویں صدی کے تقریباً نصف میں سیکولرزم ایک فلسفہ اور آئیڈیالوجی کے طور پر ابھرا اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام مغرب والوں کا ایک سیاسی نظام قرار دیا گیا۔ سیکولرزم کے تصورِ حیات میں فقط مادی دنیا کا استحکام ہے یہ نظریہ حیات یونانی اور رومی مشرکانہ کلچر تھامے ہوئے ہے۔ خدا کی خالقیت، حکمِ ربانی، حکمت یزداں، وحی، رسالت، آخرت، اخلاقی اقدار اور معرفت، اطاعت الٰہی کے لحاظ سے یکسر عاری ہے۔ مغرب کے مادی علوم وفنون نے آزاد خیالی، آزادروی اور مذہب سے بیزاری پیدا کی۔ مغربی فلسفہ نے کہیں بھی مذہب اور روحانیت میں امتزاج پیدا نہیں کیا۔ اس کی اٹھان سراسر الحادی ہے۔ ملحدانہ مغربی تہذیب کا سرمایہ افتخار فقط مادی عقل ہے۔ مفکرین مغرب فرماتے ہیں کہ ہم تو بس عقل کے پوجاری ہیں خالص عقل کے۔ جہاں تک دلیل اور منطق کام کرتا ہے ہم وہیں تک جاتے ہیں۔ عقل سے آگے ہمارا کام نہیں۔ اس روشن خیال فکر کی روشنی میں تمام ماوراالطبیعیات کے ماخذ ومصدر اپنی اساس کھو بیٹھتے ہیں۔ اخلاقی اور معاشرتی اقدار کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ خود غرضی، لالچ، حسد، نفرت، بغض اور جنسی تعیش جیسی لعنتوں سے معاشرہ اپنی بنیاد کھوکھلی کر دیتا ہے۔ روشن خیالی اور سیکولرزم کا ضمیر ایک ہی مادی اساس سے اٹھا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں دونوں فلسفے خالص عقل اور شعور کی بات کرتے ہیں۔ مذہب اور مذہبی اقدار کی نفی کرتے ہیں۔ مشرکانہ مادی اور حسی کلچر اپناتے ہیں۔ اخلاقی اقدار کی نفی کرتے ہیں۔ دونوں مذہبی قیود کو توڑ کر مادر و پدر آزاد رویہ رکھتے ہیں۔ اسی حسی تمدن کی کوکھ سے معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ ڈاکٹر خالد علوی اپنے ایک مضمون بہ عنوان ’’سیکولرزم اور اسلام‘‘ شائع شدہ مورخہ ۵ جنوری ۲۰۰۷ء بحوالہ نوائے وقت میں رقمطراز ہیں۔

’’سیکولرائزیشن نے سب سے پہلے اخلاقی اور معاشرتی قدروں کو نشانہ بنایا۔ عورت کی خاندانی ذمہ داریوں کو کمتر اور بوجھ قرار دے کر اسے مارکیٹ میں لایا گیا۔ اس طرح وہ دوسرے افراد معاشرہ کے ساتھ مسابقت کی دوڑ میں شامل ہوگئی دین کا دفاع اخلاقی اور معاشرتی بنیادوں پر ہوتا ہے۔ ایک دینی انسان ان دیکھے خدا کی قدرت کے پیش نظر بعض معاشرتی رویوں اور اخلاقی قدروں کا لحاظ کرتا ہے ایک مرتبہ خدائی حوالہ ختم ہو جائے تو پھر خواہشات ومفادات کے تحت رویوں اور رجحانات کی تشکیل ہوتی ہے۔ مغرب میں اخلاقی قدروں کی معروضیت نے آزادانہ رویوں کو پروان چڑھایا۔ آزاد جنسی تعلق، ہم جنس پرستی، والدین کی نافرمانی اور جرائم کی افزائش نے ان معاشروں کو بے سکونی کا جہنم کدہ بنا دیا ہے‘‘۔

انجام خرد ہے بے حضوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری

روشن خیالی دراصل مغربی حسی تمدن کا نمائندہ فلسفہ حیات ہے۔ حسی تمدن کا مطلب ہے کہ جس چیز کو حاصل کرنے سے تسکین ملتی ہے وہ لے لو۔ یعنی اپنے نفس کو ہمیشہ خوش رکھو۔ حصولِ لذت ہی طرزِ حیات ٹھہرا۔ کہاں کا حساب اور کہاں کا یوم آخرت۔ قیامت وغیرہ کچھ نہیں۔ عقل وشعور ومشاہدہ ہی مرکز ثبوت قرار پایا۔ اس طرح کے لوگوں کی فکر کے مطابق یہ دنیا ایک میکانکی انداز پر چل رہی ہے۔ آدم زاد پیدا ہوتے رہیں گے اپنی اپنی زندگی گزار کر مرتے رہیں گے۔ فطری قوانین، فطری مذہب ان کا چلن ٹھہرا۔ اس فلسفہ حیات کے حامل لوگ عقل وشعور وادراک اور حکمت و فلسفہ کی گتھیاں سلجھاتے ہیں مگر عقیدہ ومذہب کو بھی معقولیت پسند بنانا چاہتے ہیں یعنی

kitaabiyat.blogspot.com

ہر عقیدہ اور نظریہ کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا ہے۔ دانشکدہ فرنگ کی عطائے کل فقط تنہا عقل ہے۔ کوئی غیبی طاقت اور کوئی غیر مرئی قوت نا قابل یقین متصور ہوتے ہیں جہاں آب و گل کی بیرونی سطح پر ان کی نظر جاتی ہے۔ نگاہ بصیرت افروز اور ایقان انگیزی سے محرومی ان کا مقدر ٹھہرا۔ اقبال نے ایسے موقع پر کیا خوب کیا ہے۔

کاروان زندگی بے منزل است
در نگاہش آدمی آب و گل است

روشن خیالی کے یہ فلاسفر علمی عروج اور ذہنی ارتقاء کے باوجود غلط تصور زندگی لے کر چلتے ہیں۔ بنا بریں ان کا وضع کردہ نظام تمدن و معاشرت اخلاقی اور معاشرتی بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہاں تمام مسائل کا حل عقل کی روشنی ہے۔ نہ ان کی نگاہ بدلتی ہے اور نہ ہی ان کا دل کوئی انقلاب لاتا ہے۔ مردہ ضمیری، بے دلی، بے نصب العینی، بے منزلی، بے چارگی اور فاسد خیالی کے سامان کے علاوہ ان کی جھولی میں کچھ نہیں۔ اقبال نے مغربی تہذیب کی اصلیت کو للکارا ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا نا پائیدار ہو گا

حضرت اقبال نے مغربی اقوام کے فلسفہ حیات و عمرانیات کا بڑی گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ تہذیب مغربی نہایت کھوکھلی اور جہنم زار ہے۔ ان پر عیاں تھا کہ باطل افروز تہذیب مغرب کی بنیاد باطل نظریات و تصورات پر رکھی گئی ہے۔ لہذا یہ احساس خودی اور خودنگری سے عاری ہے۔ اس کا حاصل فساد آدمیت اور ذلت انسانی کے سوا کچھ اور نہیں۔

بیا کہ ساز فرنگ از نوا بر افتاد است
درون پردہ او نغمہ نیست فریاد است

پروفیسر میسن اپنی کتاب Creative Freedom میں لکھتے ہیں،

''ہم نے اپنے زمانہ کی ابتدا سائنس کی کاریگری سے کی اس وثوق کے ساتھ کہ مادی کامرانیاں زندگی کے عقدوں کو حل کر دیں گی۔ لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہم غلطی پر تھے۔ زندگی کے مسائل کچھ ایسے سہل نہیں۔'' فرانسیسی مفکر رینی گونن (Rene Guenon) رقمطراز ہے۔

''عہد حاضر کی تہذیب رفتہ رفتہ تنزل کی طرف گرتی گئی ہے۔ حتیٰ کہ یہ انسان کے پست ترین عناصر کی سطح پر جا کر رک گئی ہے۔ اس کا نصب العین اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسانی فطرت کے محض مادی گوشے کے تقاضوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا جائے۔ یہ نصب العین خود ایک فریب ہے۔--- جو لوگ مادہ کی وحشی قوتوں کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں وہ خود انہی قوتوں کے ہاتھوں تباہ ہو جاتے ہیں۔--- مغرب کے غرق ہو جانے کا خطرہ سر پر ہے وہ خود تو ڈوبے گا ہی لیکن اپنے ساتھ تمام نوع انسان کو بھی اپنے منتشر افکار و اعمال کے گرداب میں غرق کر دے گا۔ (The civilization of the modern world.)

''ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم اپنی تصنیف ''فکر اقبال'' میں مغربی تہذیب کی مادہ پرستانہ رویہ اور ملحدانہ بنیاد پرستی کے بارے میں بڑے احسن طریق سے رقمطراز ہیں۔

''مغربی تہذیب جس سے مراد زیادہ تر وہ تہذیب یا تمدن ہے جو گذشتہ تین سو سال میں پیدا ہوا، زیادہ تر عقلیت، مادیت یا نیچریت کی پیداوار ہے لیکن عقلیت

kitaabiyat.blogspot.com

جو اپنے کمال اور کلیت میں بھی پوری طرح حقیقت رس نہیں ہو سکتی اسے مغرب نے اور زیادہ محدود محصور کر دیا۔ اس نے فقط مادی فطرت کے مظاہر کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا اور اس کے قوانین کا ادراک کرنے کے بعد اس کو زیادہ تر مادی اور جسمانی اغراض کے لیے مسخر کیا۔ اس تسخیر نے مغرب کو مادی حیثیت سے غیر معمولی طاقت بخشی۔ اس اقتدار اور تسخیر سے سرشار ہو کر اس نے علمی اور عملی طور پر یہ نظریہ حیات قائم کر لیا کہ عالم مادی یا عالم محسوسات ہی حیثیت کلی ہے حاضر کے باہر غائب کوئی چیز نہیں۔ یہاں تک کہ انسان اپنی روح ہی کے وجود سے منکر ہو گیا۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو عارف رومی کے ارشادات میں ملتا ہے۔ علم ایک طرف قوت ہے۔ وہ حکمت روحانی اور عشق الٰہی کے ساتھ یار جان ہو سکتا ہے لیکن خالی علم و ہنر سے وہ زیرکی پیدا ہوتی ہے جو ابلیس کی صفت ہے۔

می شناسد ہر کہ از سر محرم است
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است
علم را برتن زنی مارے شود
علم را بر جاں زنی یارے بود

(رومیؒ) صفحہ ۱۳۴۔۱۳۵

ڈاکٹر مذکور دوبارہ اقبال کے حوالے سے مغربی تہذیب کا پوسٹ مارٹم کرتے ہیں جس کی کوکھ سے روشن خیالی نے جنم لیا۔

''اقبال'' انہوں نے دیکھا کہ کمزور اقوام کو غلام بنانا اور لوٹنا اس تہذیب کا شیوہ ہے۔ اور ان اقوام کی بہت سی دولت اسی لوٹ سے حاصل ہوئی ہے۔ ان کے

تمام فلسفے پر عبور حاصل کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سب مادی یا استدلالی عقل کا گورکھ دھندا ہے اور اس میں اس جوہر کا فقدان ہے جس کے لیے اقبال نے عشق کی اصطلاح اختیار کی۔

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست
بر عاشقاں جز خدا، ہیچ نیست

مغرب نے اپنی تمام عقل عالم محسوسات پر تصرف حاصل کرنے میں صرف کی۔ لیکن دماغ کی ترقی کے ساتھ ساتھ دل بے نور ہوتا گیا۔ یہ حسی تہذیب عالم روحانی کی منکر اور الحاد کی طرف مائل ہے اس کی ظاہری ترقی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ لیکن اس میں حقیقی انسانیت کا جوہر ماند پڑ گیا ہے۔ جس عقلیت نے مغرب کے فکر و عمل میں یہ انداز پیدا کیا اقبال مغرب ہی میں اس کا دشمن ہو گیا اور دل میں یہ ٹھان لی کہ ملت اسلامیہ کا احیاء مغرب کی اندھا دھند تقلید سے نہیں ہو سکتا۔ ملت میں اسلامی جذبے کو ابھارنا لازمی ہے تاکہ اپنے مخصوص جوہر کو ترقی دے سکے۔ مغرب کی تہذیب اور اس کا تمدن زوال آمادہ نظر آتا ہے اور خود مغرب کے اہل نظر کو اس کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔ اس قسم کی تہذیب کی نقالی سے مشرق کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ جو ظاہر پرست ہے اور جس کے اندر باطن کی پرورش نہیں ہوتی۔ (ایضاً صفحہ ۱۴۶)

مغربی ممالک سیاسی، اور معاشی طور پر زیادہ مستحکم بنیادوں پر قائم ہو چکے ہیں۔ یہ سب کچھ انہیں علوم و فنون کی ترقی اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت حاصل ہوا ہے مادی ترقی کے ارتقاء نے انہیں مذہبی گرفت سے آزاد کر کے آزاد خیالی اور روشن خیالی کی جانب دھکیل دیا ہے۔ آپ اسے لبرلزم یا سیکولرزم بھی کہہ سکتے ہیں۔

kitabiyat.blogspot.com

جنسی اختلاط، حسی تمدن، معاشرتی بے راہ روی خالص عقل پرستی اور مادی کلچر مغربی تہذیب کی عطائیں ہیں۔ اس کے برعکس مشرق میں روحانی اقدار اور مذہبی گرفت زیادہ مضبوط اور ٹھوس بنیادوں پر قائم ہے۔ مغرب کے دائرہ افکار سے خدا، روز قیامت، فرشتے، وحی، رسالت، نیکی بدی کا تصور یعنی اخلاقی و روحانی اقدار نکل چکی ہیں۔ بس وہ عقل کے غلام اور پیروکار بن چکے ہیں پدر و مادر آزاد سوچ اور بے لگام طرز حیات طرۂ مغربیت ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ اپنی کتاب ''مقاصد اقبال'' کے باب'' رقمطراز ہیں کہ ''وہ حضرات جو حضرت علامہ کی فکریات کا ڈانڈا مغرب سے ملا کر اپنی ہی طرح انہیں مشرق سے بیزار اور مغرب کا مداح مطلق قرار دیتے ہیں مشغول ہیں اس خیال کو حقائق سے بے نیاز ہو کر پھیلاتے رہے ہیں لیکن یہ حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔''

مغربی روشن خیالی نے جذبہ و دل کی دنیا کو خیر باد کہہ دیا اور فقط منطق و شعور کی دنیا میں پناہ ڈھونڈ لی۔ مغربی باسیوں نے ہر طرح کے دلی سکون تلاش کئے۔ عیش و آرام حاصل کیے مگر وہ کسی طرح ہی مطمئن و مسرور نہ ہو سکے۔ الغرض وہ حیوانیت سے بھی پرے ہو گئے۔ اوپر سے روشن اور اندر سے تاریک تر۔ مصنف مذکور مندرجہ بالا کتاب کے تیسرے باب'' خارجی اثری حملہ، مغربیت'' کے ذیلی عنوان ''فرانگ دل کی خرابی'' میں یوں فرماتے ہیں۔

''جب فرنگ نے عقل کو ایمان اور معصوم و سادہ جذبوں سے آزاد و منقطع کر لیا اور عقل عیار کا غلام بن گیا تو وہ داخلی اور خارجی سطح پر بے اخلاق ہو گیا وہ جہاں شخصی طور سے تن پروری اور حیوانیت کی دلدل میں پھنس گیا۔ وہاں اپنی حیوانی زندگی کو غلام

بنانے کے درپے ہو گیا۔۔۔۔۔ اور یہ دلخراش حقیقت بھی نظر انداز نہیں ہو سکتی کہ اپنی ساری دولت و ثروت کے باوجود مغرب اطمینان کی دولت سے محروم ہے۔ جیسا کہ مغرب کے مفکروں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کسی ایمانی مستقل منہاج کے بغیر ہر روز مذہب و مسلک بدلتا اور اپنی بے قراری کا مظاہرہ کرتا رہتا ہے۔''

بعض لوگ فرنگی کمالات ہنر سے مرعوب ہو کر۔۔۔۔۔ اور ان کی ظاہری چمک دمک سے مسحور ہو کر اہل مغرب کو بہت مسرور و مطمئن سمجھتے ہیں۔ لیکن مسرت اس اطمینان کا نام ہے جو اسباب ظاہری کے بغیر بھی انسان کو خوش رکھ سکے۔ اس لحاظ سے مغرب کا آدمی بد بخت ترین آدمی ہے۔۔۔۔۔ حیوانات کی طرح تن پرستی کرتا ہے اور شیاطین کی مانند پریشان رہتا ہے۔ استعمار و استحصال کی بیماری اسی پریشانی کے باعث ہے۔۔۔۔ لیکن ہمارا مغرب زدہ غلام ابن غلام یہ سمجھتا ہے کہ مغرب ہی اس کا خدا اور مغرب ہی اُس کا رسول ہے۔ اس کی رائے میں فوز و فلاح کی تمام سڑکیں مغرب ہی کو جاتی ہیں کہ وہی اس کا قبلہ و کعبہ اور وہی اُس کا حجاز ہے۔

مذکورہ باب کے ذیلی عنوان ''فکر فرنگ'' (بینائے کور و مست تماشائے رنگ و بو) کے تحت روشن خیالی کے حوالے سے طرز و احوال یورپ و حسب ذیل عبارت سے واضح کیا گیا ہے۔

یورپ کے جدید دور کا آغاز اٹلی میں ہوا۔ اس نشاۃ الثانیہ کا نعرہ، انسان کا بلند مقام اور اس کی روشن تقدیر تھا۔ پکو وامرندولہ نے اس زمانے میں (پندرھویں صدی کی اٹلی میں) کہا تھا کہ ہم ہر قید و بند سے آزاد ہیں۔ اے انسان تو ہر قسم کی زنجیر کو توڑ دے مگر ان نعروں کے زیر اثر اٹلی میں فکری آزادی نے جو رخ بھی اختیار کیا اس

kitaabiyat.blogspot.com

میں داخلی اور خارجی زندگی میں توازن رکھنا ابھی تک فضیلت ہی سمجھا جاتا تھا مگر رفتہ رفتہ توازن بگڑتا گیا۔

اس کے بعد فرانس میں رابلے اور مونتین آتے ہیں جن جھکاؤ داخلیت کی طرف ہوتا ہے خصوصاً مونتین کے یہاں اس داخلیت کا ہلکا سا آغاز ہوتا ہے جو کئی صدیوں کے بعد پروست (Proust) میں عروج کو پہنچ جاتی ہے۔ مونتین کے یہاں خدا کے گہرے اعتقاد کے ساتھ فطرت سے دلچسپی کا میلان ملتا ہے۔ لیکن کلیسا سے بے اعتقادی بھی نمایاں ہوتی جاتی ہے۔ مونتین کے انشائیے تاریک بادلوں میں روشنی وارکشادگی کی ایک لکیر کا درجہ رکھتے ہیں یعنی بے اعتقادی اگرچہ عام ہو چلی ہے تاہم داخلی سہارے اب بھی مدنظر ہیں۔

سولہویں صدی کا انگلستان یعنی الزبتھ کا زمانہ آتا ہے، شکسپیر کے یہاں عجیب توازن نظر آتا ہے۔ وہ نظم و توازن میں گہرا اعتقاد ہے مگر داخل میں ہلکا سا انتشار بھی ہے تاہم شکسپیر میں ہم آہنگی کی آرزو موجود ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ انگلستان میں اس وقت پبلک لٹریچر اور پرائیویٹ لٹریچر میں فرق نہ تھا۔ یہ دور غنیمت تھا اس کے بعد سائنسدان اور فلسفی آتے ہیں۔ جو صرف خارجی کائنات کو موضوعِ تحقیق بناتے ہیں۔ سائنسدانوں نے رازہائے فطرت پر سے پردہ اٹھایا اور بتا دیا کہ اس کائنات کے کچھ قانون ہیں، جب تک انسان ان پر عمل کرتا رہے گا۔ اس وقت تک وہ اس کائنات کا مالک بنا رہے گا۔ ان لوگوں کی نظر میں زندگی کا خارج ہی قابلِ توجہ تھا، زندگی کی طرح عام ادب میں اور کامیڈی میں بھی یہی نظریہ تھا، بہرحال یہ نئے شعوری تصورات کا دور تھا۔ طنز اور خارجی حقیقت نگاری کا شوق عام تھا لیکن خارجیت دیرپا

ثابت نہ ہوئی۔ بہت جلد مغربی ذہن کو داخلیت نے گھیر لیا۔ ناول اور ڈرامہ سستی جذباتیت سے لبریز ہو گیا اور اس کے لیے خفیہ سوسائٹیاں بنیں جو پراسرار محیر العقول عناصر سے لبریز تحریروں کو فروغ دینے لگیں۔ جرمنی میں طوفان و ہیجان کی تحریک اٹھی اور اس کے ساتھ ہی رومانیت کی شدید لہر جرمنی اور انگلستان میں ابھر آئی۔ پھر روس اور فرانس اس کی لپیٹ میں آ گئے یہ لہر اور بھی آگے بڑھی اور اس کے زیرِ اثر مذہب کے جملہ آثار مٹ سے گئے۔

اس کے فوراً بعد صنعتی دور آیا جس کے زیرِ اثر عوام اور ہجوم کا طوفان بے تمیزی اٹھ کھڑا ہوا۔ اب معاشی مسئلہ شدید بے اطمینانی کا باعث بن جاتا ہے۔ پہلے بے اطمینانی داخلی میں تھی اب اسے خارجی احوال تک پھیلا دیا جاتا ہے۔ سوشلزم کا چرچا ہوتا ہے پہلے اس کی حیثیت محض علمی تھی۔ مارکس اور اینگلز اسے خارج میں پھیلا دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں بیسویں صدی معاشی انسان کی صدی بن جاتی ہے جس میں اطمینان اور امید کے ڈانڈے، زیادہ سے زیادہ پیداوار سے ملا دیئے جاتے ہیں مگر انسان پہلے سے زیادہ محرومی محسوس کرتا ہے اس معیشت پرستی کے زیرِ اثر داخل کی دنیا کو آواد چھوڑ دیا جاتا ہے اور خارجی اصلاح و ترقی کا چرچا ہوتا ہے۔ اب جبلتیں بے قید ہو جاتی ہیں مگر اس کا بھی شدید ردِعمل ہوتا ہے اور ظاہر اور باطن کے مابین خلیج اور وسیع ہو جاتی ہے، اس کی وجہ سے شدید کش مکش شروع ہو جاتی اور دو دھارے۔۔۔۔ ایک طرف خارج پرستی اور دوسری طرف داخل پرستی ابھرتی ہے۔ ۱۸۲۵ء سے ۱۸۹۵ء تک کا زمانہ (جس میں بڑے بڑے ناول وجود میں آئے) اسی کش مکش کا اظہار کرتا ہے۔ اب موجودہ انسان کو دہری پریشانی ہے، کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کدھر جائے

kitaabiyat.blogspot.com

گا۔ سخت روحانی کرب و اضطراب شروع ہو جاتا ہے۔ مغرب کا انسان ایک طرف اندر کے تصادم سے دوچار ہے اور دوسری طرف وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ خارجی دباؤ اور سیاسی معاشی قوتوں کے رحم و کرم پر ہے، اس طرح وہ اپنی انفرادیت کھو بیٹھتا ہے۔

یہ شدید اندرونی مایوسی کا دور ہے جس میں سوسائٹی کا عقیدہ و اعلان اور ہے اور عمل بالکل اس سے مختلف ہے، یعنی یہ منافقت کامل کا دور ہے۔ اس پر فرائیڈ وغیرہ کی نفسیات انسان کو خود اپنے آپ سے بدگمان کر دیتی ہے۔ اس کے زیر اثر انتشار مکمل ہو جاتا ہے۔ اب حساس ادیب کسی ایسے نسخے کی جستجو میں ہے جو بے چارے انسان کو سکھ کا ایک لمحہ عطا کر سکتے کیونکہ ادب خود کش مکش کا شکار ہے۔ باطن اور ظاہر دونوں میں بحران ہے لہٰذا ادب ناکام ہو گیا ہے اور خارج اور باطن کی اس آویزش کو مٹا نہیں سکتا۔ ادب عوام اور عام انسان کا ادب نہیں رہا کیونکہ عوام یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ حد درجہ اعصابی تناؤ کا موجب ہے یا حد درجہ ناقابل فہم ہے لہٰذا ادب ناکام ہو گیا ہے اور خارج اور باطن کی اس آویزش کو مٹا نہیں سکتا۔ ادب عوام اور عام انسان کا ادب نہیں رہا کیونکہ عوام یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ حد درجہ اعصابی تناؤ کا موجب ہے یا حد درجہ ناقابل فہم ہے لہٰذا وہ دونوں صورتوں میں یاس انگیز اور مضر صحت ہے اس وجہ سے ادب ممد حیات نہیں رہا۔ اس پر ستم یہ ہے کہ انسان کو دعویٰ خدائی کا بھی ہے لیکن انسان جس سائنس کی وجہ سے دعویٰ خدائی کا کر رہا تھا۔ اب اُس سے بھی بیزار ہوتا جاتا ہے یہ نیا ادب عام آدمی کے لیے بیکار ہے کہ اس سے اسے اپنی انفرادیت نہیں مل سکتی۔ ان شدید پریشانیوں کی وجہ سے اب زندگی میں بیزاری ہی ہے۔ اس لیے عورت اور مے خواری کے سوا کوئی سہارا باقی نہیں رہا۔ اس پر معاشی بے اطمینانی اور مفادات کی پیکار د

کش مکش غالب ہے جس کے باعث تشدد اور غصہ و انتقام اب مغرب کی جبلت کا درجہ حاصل کر گیا ہے۔ اب یا تو کوئی جنگ اسے تباہ کر دے گی۔۔۔ یا اس کی حیوانی شورشیں اسے تباہ کر کے رکھ دیں گی۔

غرض علم و فن کے کمالات دکھانے والے مغرب کا اب یہ حال ہے۔ لیکن عالم اسلام کے متجددین اس میں مگن ہیں کہ مغرب نے عورت کو ارزاں کر دیا ہے۔ بلکہ اسے اشتہاء (۔۔۔۔۔نہیں نہیں، اسے ارزاں قیمت پر بکنے والا مال۔۔۔۔۔ نہیں نہیں، اسے مفت متاعِ غارت) کا درجہ دے دیا ہے۔ وہ اسی میں خوش ہے کہ اب اس کے نفس حیوانی کو آزادی مل گئی ہے لیکن چونکہ وہ کور مادر زاد ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ مغرب کے آدمی کو یہ سب کچھ میسر ہے مگر پھر بھی اس کے لبوں پر فریاد ہے۔۔۔۔ اس کے پاس سب کچھ ہے مگر محروم ہی محروم ہے۔

اقبال نے جس شدت سے اس محرومی کی طرف متوجہ کیا ہے افسوس ہے کہ عالم اسلام کے غلامانِ فرنگ کی سمجھ میں یہ بات پھر بھی نہیں آئی۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی عذاب ہی کی ایک صورت ہے۔

kitaabiyat.blogspot.com

کتابیات وحوالہ جات

1۔ کولیرڈکشنری، میملین ایجوکیشنل کمپنی نیویارک امریکہ۔

۲۔ انسائکلوپیڈیا اف برٹینکا جلد چہارم اوراٹھارویں صدی۔

۳۔ انسائکلوپیڈیا بابت مذہب واخلاقیات جلد پنجم۔

۴۔ انسائکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز جلد ششم۔

۵۔ انسائکلوپیڈیا آف فلاسفی جلداول ودوم

۶۔ انسائکلوپیدیا آف امریکانا۔

۷۔ سیکولرزم اوراسلام۔ڈاکٹر خالدعلوی نوائے وقت لاہور۔۵جنوری۔۲۰۰۷ء

۸۔ ضرب کلیم۔ایک فلسفہ زدہ سیدزادے کے نام۔

۹۔ پس چہ باید کرد۔پس چہ باید کرائے اقوام مشرق۔

۱۰۔ بانگ درا۔غزلیات۔

۱۱۔ پس چہ باید کرد۔برمزار شہنشاہ بابر خلد آشیانی۔

۱۲۔ پروفیسرمیسن Creative Freedom

۱۳۔ فرانسیسی مفکر رینی گونن The civilization of the modern world,Rene Guenon

۱۴۔ ڈاکٹرخلیفہ عبدالحکیم۔فکراقبال۔بزم اقبال لاہور۔

روشن خیالی اوراقبال

(مغربی روشن خیالی کے پس منظر میں)

امریکہ جہاں پناہ اور شہنشاہ عالم ۹ستمبر۲۰۰۱ء کے دن اپنے ملک میں بپا ہونے والی دہشت گردی کی آڑ میں مسلم ملکوں پر چڑھ دوڑا۔ اصولی طور پر بشمول مسلم ممالک کے ساری دنیا نے اس گھناؤنی دہشت گردی کی مذمت کی مگر امریکہ بہادر نے مسلمان ملکوں کو اپنا دشمن سمجھ لیا اور بغیر کسی جواز اور دلیل کے افغانستان پر تباہ کن ہتھیاروں کے ساتھ یلغار کر کے اس نہتے مسلم ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ اس کے بعد خطرناک ہتھیاروں کی موجودگی کا بہانہ بنا کر عراق پر حملہ کر دیا۔ دونوں مذکورہ مسلم ممالک میں امریکی کروسیڈی صدر کے حکم پر تباہی اور بربادی پھیلا دی گئی۔ بعدازاں لبنان پر اسرائیل کو مسلط کر دیا۔ اس کے بعد شام اور ایران کو دھمکیاں مل رہی تھیں۔

دراصل کمیونزم کے زوال کے بعد امریکہ اور یورپ والوں کے ذہنوں اور دلوں میں اسلام ایک جیتا جاگتا اور ابھرتا ہوا خطرہ بنتا نظر آیا۔ لہٰذا ان سفید اقوام کے دانشوروں اور ارباب بست وکشاد نے تحریری، تقریری، سیاسی نفسیاتی اور دیگر ممکنہ

kitaabiyat.blogspot.com

ذرائع سے اسلام مخالف روش اور محاذ پر شب و روز کام کرنا شروع کر دیا۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا کے مصداق امریکہ میں یہودی سازش کے حوالے سے ہونے والی دہشت گردی نے مغربی عیسائیت کے پیروکاروں کو بہانہ فراہم کر دیا کہ مسلمانوں کو تہذیبی، تمدنی، سیاسی، معاشی حربی اور نفسیاتی طریقوں سے مغلوب کر دیا جائے۔ مسلمان ملکوں پر جنگی اور غیر جنگی حربے آزمانے کا موقع مل گیا۔ اسی پس منظر میں مسلم دشمنی اور جنگی جنون رکھنے والے امریکی صدر بش نے مسلمانوں کے خلاف کیے جانے والے حملوں کو کروسیڈی جنگ قرار دے کر صلیبی جنگوں کی یاد تازہ کر دی۔ بعد میں بین الاقوامی مصلحت کی بنا پر اگرچہ امریکی صدر نے کروسیڈ کے الفاظ واپس لے لیے مگر اندرونی طور پر دہشت گردی کی آڑ میں مسلمانوں پر ہر طرح کا ظلم و ستم روا رکھا گیا اور حیرت کی بات ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران جاپان پر گرائے جانے والے ایٹم بموں کے بعد سائنس اور ٹیکنالوجی کا جدید ترین اسلحہ سوائے ایٹم بم کے افغانستان اور عراق پر آزمایا گیا۔ اقبال نے کیا ترجمانی کی ہے۔

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زباں میری

امریکہ اور اس کی حواری اقوام نے مسلمانوں کے خلاف دو محاذ کھولے ہوئے ہیں ــــ جنگی محاذ اور غیر جنگی محاذ۔ جنگی محاذ پر افغانستان اور عراق پر ہر طرح کا اسلحہ استعمال ہو رہا ہے اور رات دن فضائی حملے بھی جاری ہیں۔ لبنان پر امریکہ اپنے ناجائز گماشتے یعنی اسرائیل کے ذریعے تباہی اور بربادی پھیلا رہا ہے۔ اگرچہ جنگ بندی ہو چکی ہے۔ مگر خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ دراصل امریکی

اشارے پر اسرائیل کا لبنان پر حملہ وہاں کی جہادی تنظیم حزب اللہ کو ختم کرنا اور شام و ایران پر مستقبل کے حوالے سے جنگی اندازہ لگانا مقصود تھا۔ جنگ بندی ہو چکی ہے اور اسرائیل اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ غیر جنگی محاذ پر امریکہ سفارت کاری غیر سرکاری تنظیمیں، سیاسی حربے، مال میڈیا، افرادی وسائل اور مسلم ممالک کے سربراہوں کو استعمال کر رہا ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک چال یہ ہے کہ مسلم ممالک میں روشن خیالی، آزادروی، لبرلزم، مغربی ہیومنزم، تجدد پسندی، اعتدال پسندی، ماڈریٹ اور سیکولر طرز حیات پروان چڑھایا جائے۔ ایک امریکی تھنک ٹینک ''رینڈ کارپوریشن'' نے پانچ سو صفحات پر مشتمل رپورٹ شائع کی ہے جس میں مسلمان ممالک کے باشندوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ انتہا پسند، روایت پسند، ماڈرن اور سیکولر ـــ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے ماڈرن اور سیکولر طبقہ فکر کو ترغیبات دے کر آگے لایا جائے۔ درحقیقت امریکہ مسلمانوں سے ان کے عقائد و نظریات تہذیب و تمدن اور ثقافت ملی چھین کر انہیں رسمی اور انفرادی سطح پر رکھنا چاہتا ہے۔ اس غرض کے لیے اس نے کروڑوں ڈالر کا فنڈ مخصوص کیا ہے جسے الیکٹرانک میڈیا اور کرایہ کے مخصوص افراد پر خرچ کر کے راستہ ہموار کیا جائے گا۔

پاکستان میں اسی پس منظر کے تحت رات دن روشن خیالی اعتدال پسندی اور ماڈریٹ اسلام کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ الیکٹرانک میڈیا اور دیگر مخصوص سطحوں پر امریکی اشارے پر کام ہو رہا ہے۔ تعلیمی نصاب کی تبدیلی اور لبرل خیالات کے ٹی وی پروگرام اسی منصوبے کی عکاسی کرتے ہیں۔

kitaabiyat.blogspot.com

روشن خیالی کے مغربی تصور کو عام کرنے کی غرض سے حکومت پاکستان نے ''ادارہ اقبال'' تحقیق، تعلیم اور مکالمہ کا وجود عمل لائی ہے۔ اس ادارے کا مقصد افکار اقبال کی مطابقت کے حوالے سے نئی نسل کو روشن خیال اور اعتدال پسند بنانا ہے اس ادارے کا کروڑوں روپے کا فنڈ خدا جانے کہاں سے آیا ہے۔ بہر حال یہ کہا گیا ہے کہ حکومت پاکستان نے خصوصی فنڈ سے گرانٹ جاری کی ہے۔ تعلیمات و افکار اقبال کی مناسبت سے مسلم معاشرہ کی تشکیل نو کی جائے گی۔ اساتذہ کو خصوصی تربیت دی جائے گی۔ خاص پروگرام تیار کیے جائیں گے۔ تاکہ نئی نسل کو عالمی معیار کے مطابق روشن خیالی اور اعتدال پسند بنایا جاسکے۔ گویا یہ ادارہ اقبال مغربی فکر و فلسفہ کے تحت اسلامی تجدد پسندی اور اسلامی روشن خیالی کے حامل افراد پیدا کرے گا۔ علاوہ ازیں رابندر ناتھ ٹیگور، قاضی نذرالاسلام اور اقبال کے افکار میں مشترکہ اقدار اکٹھی کی جائیں گی تاکہ جنوبی ایشاء میں مفاہمت کو پروان چڑھایا جاسکے۔

دراصل یہ روشن خیالی مغرب سے مرعوب اور تجدد پسندی کی امریکی بنیاد ہے ایسے مسلمان پیدا کرنا مقصود ہیں جو کہ اسلام کو محض اعتقاد کا مسئلہ اور فرد کا ذاتی مسئلہ گردانتے ہوں۔ اس مسلمان کش پروگرام کے لیے ترغیبات مہیا کی گئی ہیں۔ مال، میڈیا اور افرادی وسائل حضرت اقبال پر یہ سراسر بہتان ہے کہ وہ مغربی طرز کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا پیام بر تھا۔ اس مرد قلندر نے واشگاف الفاظ میں اور دلکش تراکیب شعری کی صورت میں تہذیب مغرب اور فلسفہ مغرب کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ اس کا کلام ایک آئینہ ہے۔ اس نے دانش حاضر اور تہذیب مغرب کی آزادی خیال، آزاد روی اور افکار لادینی کا اپنے کلام میں جابجا تذکرہ کیا ہے۔ اسے اپنی

تاریخی روایات اور ملی ثقافت پر فخر ہے۔ وہ بنیادی طور پر قرآن وار صاحب قرآن کا ترجمان ہے۔ وہ اساسی طور پر شاعر اسلام ہے اور اسلام کے دین فطرت ہونے کے ناطے زندگی کی قدروں کا ترجمان ہے۔ وہ یورپ کی لادینی اور پدر و مادر آزاد تہذیب کو پوری دانش مندی اور جذب دروں کے سہارے رد کردیتا ہے۔ وہ اسلام کو بھرپور خود اعتمادی اور خود اعتقادی سے دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور یہ کہ معذرت خواہانہ رویہ نہیں اپناتا۔ اسے تہذیب حجازی پہ ناز ہے اپنے ماضی پر فخر ہے۔ وہ دوسروں سے جینے کے نظریات نہیں مانگتا۔ وہ صاحب یقین اور نبی آخر الزماں ﷺ کا ایک عاشق ہے وہ اس کاروان حیات کا مسافر ہے جس کے سالار میر حجاز ﷺ کی ذات اقدس ہیں وہ تہذیب حجازی کے صحرائے عرب پر نازاں ہے جہاں سے تمدن پھوٹا۔ جہاں سے آئین جہاں داری نے جنم لیا اور جہاں اصول جہاں بانی و جہاں گیری وضع ہوئے۔ وہ اپنی معرفت و آگہی، زور خودی، جذبہ قلندری اور ذوق یقین محکم کے حوالے سے دانش افرنگیاں، فرنگی تخیلات، اور کاروبار افرنگیاں سے بخوبی آگاہ ہے۔ تبھی تو کہتا ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

kitaabiyat.blogspot.com

جس طرح اشتراکی دانش و فکر رکھنے والے اصحاب پورا ذہنی و فکر زور لگانے کے باوجود اقبال کو اشتراکی خیالات اور سوچ کا حامل ثابت نہ کر سکے اسی طرح مغربی تہذیب کی چمک سے مرعوب و متاثر حضرات بخصوص پوری دانشوری کھنگال کر بھی حضرت اقبال کو دانش حاضر کی صف میں کھڑا نہیں کر سکتے لہٰذا امریکی مکر و فریب اس حوالے سے شکست پذیر ہو کر اپنی موت آپ مر جائے گا۔ اس کی سوچ اور عالمی نمبرداری کے مطابق مسلمانان عالم کو اسلام سے برگشتہ نہیں کیا جا سکے گا۔ کیونکہ اسلام کے پیروکار مغربی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے حسن اعتدال کو بخوبی جانتے اور پرکھتے ہیں۔

میں نے حسب کوشش علامہ کے اردو اور فارسی کلام کا تجزیہ کر کے ایسی تراکیب شعری اخذ کی ہیں جو کہ تہذیب مغرب، دانش حاضر، عصر حاضر، علوم جدید، نفسیات فرنگ، کاروبار فرنگ اور دلآویزی و چنگیزی افرنگ پر چوٹ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ آپ بھی ان تراکیب شعری کو پڑھیں اور دیکھیں کہ فکر اقبال تہذیب مغرب کے ساتھ کوئی لگا نہیں کھاتی ــــــ چہ عالم خاک را بہ نسبت پاک۔

اردو تراکیب شعری:

پیر مغاں فرنگ، دیار مغرب کے رہنے والو، بادہ تہذیب حاضر، آتش نمرود شعلہ نمرود، ذوق حاضر، معبود حاضر، پیر فلسفہ مغربی، علوم جدید، حکمراں کی ساحری حکمت مغرب، مے فروشان فرنگستان، طوفان مغرب، خرد مندان مغرب، چمک تہذیب حاضر کی، روشن مغربی، تعلیم مغربی، تہذیب نو، نئی تہذیب، فرنگیوں کا فسوں

حسن فرنگ کی بہار، افرنگی کا راج، تہذیب حاضر، دانش افرنگی، جلوہ دانش فرنگ، فرنگی دل کی خرابی فرد کی مسحوری، تاجران فرنگ، مے خانہ یورپ، مجذوب فرنگی، افرنگ کا اندازہ، عذاب دانش حاضر، ایوان فرنگ زمانہ حاضر، حیلہ افرنگی، مے خانہ فرنگ، نئی تہذیب، مے فرنگ، اے تہذیب حاضر کے گرفتار، انداز افرنگ، سفیدان فرنگی، فرنگی مدنیت، تہذیب نوی، چشم تہذیب کی نابصیری، تہذیب حاضر کی تجلی، شیشہ باز فرنگ، فکر گستاخ، فرنگی مقامر، علم حاضر، مسحور غرب، افرنگ کا صید زبوں، تہذیب حاضر کی سوداگری، روح فرنگی، سم فرنگی، افرنگ کے سیار، یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور، فرنگ کی تہذیب، مردہ لادینی افکار سے افرنگ میں عشق فرنگی معاشرت، تہذیب فرنگی، فرنگی کرشمہ ساز، افرنگ مشینوں کے دھویں سے ہے سہ پوش، چھوڑ یورپ کے لیے رقص بدن کے خم و پیچ، جہان مغرب، فسونئ افرنگ، سیاست افرنگ، ملوکیت افرنگ، مرد فرنگی، پردۂ تہذیب، نظر وران فرنگی، فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر، مرد فرنگی پیرک افرنگ، خلعت انگریز، تقلید فرنگی، یورپ کے شکر پارہ فروش، سوداگران یورپ۔

تراکیب کلام فارسی:

دانش حاضر، عصر من، فریب عصر، گلشن مغرب، عہد حاضر، دور حاضر، حکمت فرنگ، فن تازہ، پرستار مرگ، حکیمان فرنگ، شیوہ رو، فرنگ شیشہ گری کرد، نقش فرنگ، مے خانہ فرنگ، خمستان فرنگ، خرابات فرنگ، مینائے فرنگ، فکر فرنگ، زعلم و دانش

kitaabiyat.blogspot.com

مغرب، فریاد ز افرنگ، دل آویزی افرنگ، شیرینیٔ و پرویزی افرنگ، چنگیزی افرنگ، فتنہ ہائے علم وفن، شیشہ ہائے عصر حاضر، ہنگامہ افرنگ، حکیم افرنگ، افسونِ افرنگ، تقلید افرنگ، فن افرنگ جز مردم دری نیست، تہذیب نو، علم حاضر، عصر حاضر، مست فرنگ، سلطانی مغرب، شعلۂ فرنگیاں، جمہور فرنگ، صور فرنگ، عبرت از فرنگ، ترک فرنگ، مکر غربیاں، مذہب عصر نو، حاصل تہذیب لادینی، تقلید فرنگ، نقش باطل، آتش افرنگیاں، ملبوس فرنگ، مست فرنگ، دست فرنگ، تہذیب فرنگی، انداز فرنگ، دور فرنگ، عہد فرنگ، افسون فرنگی، عصر حاضر، رسم لادینی نہاد، دانش افرنگیاں، اندیشہ لا دین او، کافر افرنگ، نشۂ افرنگ، کار افرنگ، زنار فرنگ، افسونی تہذیب غرب، کشتۂ افرنگیاں، طلسم فرنگ، جلوۂ افرنگ، لالہ رویان فرنگ، بند فرنگ، نکویان فرنگی، میخانہ مغرب، طلسم علم حاضر، فرنگی کج کلاہاں، افرنگی صنم، پیمان فرنگی، افرنگی بتاں۔

مذکورہ بالا اردو اور فارسی کلام کی تراکیب کا گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کریں تو یہ حقیقت روز روشن کی مثل واضح ولائح ہو جائے گی کہ اقبال مغرب کی فکر کو فکر گستاخ کا نام دیتا ہے جو کسی پابندی کو نہیں مانتی اور دوسرے یہ کہ دانش فرنگ دل سے بھی بغاوت کرتی ہے۔ اقبال اپنے وجدان بصیرت، معرفت و آگہی، اور ایقان عاشقی کی بدولت، مکر غربیاں، رسم لادینی، دل آویزی و شیرینی افرنگ، فتنہ ہائے علم وفن، افسون فرنگ اور فرنگی تہذیب وتمدن سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے کہیں تہذیب فرنگ کو تاجرانہ اور حیلہ جو قرار دیتا ہے اور کہیں اس تہذیب کو قید خانہ کہتا ہے۔

مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

اقبال بہ بانگ بلند کہتا ہے کہ تہذیب یورپ سوداگرانہ ہے جو احترام آدمیت اور مقام آدمیت سے نا آشنا ہے۔ یہ تہذیب مردہ لادینی افکار کی ترجمانی کرتی ہے۔ اہالیان یورپ کے پاس ہمہ اقسام و انواع کی بدنی اور جسمانی لذتیں موجود ہیں۔ شراب و کباب، رقص و سرور، مخلوط طرز معاشرت، انفرادیت، ہجوم زنان بازاری اور حسی لوازمات حیات کی فراوانی سے ان کی معاشرت کی چمک دمک ہماری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ روحانی اور اخلاقی لحاظ سے سفید اقوام یورپ اپاہج ہو چکی ہیں فرنگی معاشرت مشینوں کے دھوئیں سے تاریک ہے۔ ان کی سیاست دیو بے زنجیر اور بے جہت ہے تہذیب یورپ بے بصیرت و معرفت ہے۔ اس کا چہرہ چمکدار اور دل تاریک ہے۔ اقبال بغیر کسی لگی لپٹی کے کہتا ہے کہ یورپ والوں کی ہنرمندی اور علم و فن آدم زاد کی چیر پھاڑ ہے یہ بھیڑیے ہیں جو ہمیشہ کسی معصوم میمنہ کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ان کا ہر اقدام انسانیت کش اور وحشیانہ ہے۔

خرد جز کافری کافرگری نیست
فن افرنگ جز مردم دری نیست ۶

ترجمہ: عقل سوائے کافری اور کافرگری کے اور کچھ نہیں ہے۔ افرنگ کا فن سوائے انسانوں کی چیر پھاڑ کے اور کچھ نہیں۔

افرنگی تہذیب کا ہر نقش باطل اور مکر و فریب ہے جسے اقبال مکر غربیاں کا نام دیتا ہے حضرت علامہ کو افسوس یہ تھا کہ مسلمانان حاضر عہد فرنگ کا روپ دھار رہے ہیں اور اپنا ذوق یقین کھو بیٹھے ہیں۔ یورپ نے رسم لادینی کی بنیاد رکھی اور پھر اپنی ہی تہذیب کی تلوار سے زخمی ہو کر نڈھال ہو گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہم سب تہذیب مغرب کے سحر کا شکار ہیں۔ شاعر مشرق گویا ہیں کہ میں نے یورپ کے میخانے کی

kitabiyat.blogspot.com

شراب چکھی۔ مجھے اپنی جان کی قسم کہ میں نے دردسر مول لیا جس روز میں حسینانِ فرنگ پاس بیٹھا اس روز سے زیادہ بے کیف و سرور دن کوئی نہیں۔ اقبال جیسا مرد درویش اور صاحب سوزِ دروں مغربی طرز فکر، تمدن یورپ اور مغربی تہذیب کی سحر آلودگی سے کیسے متاثر ہوسکتا ہے۔ وہ تو اعلانیہ کہہ رہا ہے،

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف ۷

فرماتے ہیں کہ میں نے دانش حاضر اور علم حاضر کا جادو توڑ دیا ہے۔ میں نے دانہ اچک لیا اور اس کا جال توڑ دیا۔ خدا جانتا ہے کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس تہذیب جدید کے علم حاضر کی آگ میں کتنی بے پروائی سے بیٹھا۔ اسی طرح دیگر تراکیب شعری مثلاً ہنگامہ افرنگ، انداز فرنگ، نشہ افرنگ، طلسم فرنگ کی بدولت اقبال نے تہذیب مغرب کا پوسٹ مارٹم کر کے رکھ دیا ہے۔ اس کے کھوکھلے پن کا دلائل و براہین اور فکری توجہات سے نکل کر اظہار کیا ہے۔ اسے جھوٹے نگوں کی سحر کاری کا نام دیا ہے۔ یہ تہذیب بلاشبہ چہرہ کو روشن کرتی ہے مگر اندرون تاریک کر دیتی ہے۔ یہ تہذیب جدید فکر آزاد، عریانیت آزادی، کھوکھلی روشن خیالی کی حامل ہے۔ عقل کو بڑھاتی اور ادب کو گھٹاتی ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں اُلجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا ۸

روشن خیالی، تجدد پسندی، آزاد فکری انسانیت کش رویوں کو جنم دیتی ہے۔ اس کی کوکھ سے حسی تمدن حیات جنم لیتا ہے۔ یہ عقل گستاخ کی رہنمائی میں چلتی ہے اور کافر گری تک پہنچتی ہے۔ یہ تہذیب ننگ انسانیت، ننگ شرافت اور ننگ آدمیت اور ننگ تمدن حیات ہے۔ موجودہ مغربی روشن خیالی کو اقبال کے کلام اور افکار سے موزوں کرنا سراسر اقبال سے زیادتی ہے۔ اقبال کو خدارا اپنے مقام سے نہ گرائیں اور نئی نسل کو کلام اقبال کی حرارت سے فیضیاب رکھیں اور اس کی عقیدت کو ذہنوں سے مت کھرچیں وگرنہ آنے والی نسلیں اپنی تاریخ اور ملی ثقافت سے اور روایات سے بہرہ ہوں گی جس کی اقبال نے عمر بھر تلقین کی۔

قدح خرد فروزے کہ فرنگ داد مارا
ہمہ آفتاب لیکن اثر سحر نہ دارد ۹

ترجمہ: دانش کا ساغر جو کہ افرنگ نے ہمیں دیا ہے۔ مکمل سورج ہے مگر اس کے نصیب میں صبح کرنا نہیں ہے۔

''اسرار رموز'' میں حضرت علامہ اقبال یورپ کے مادی علوم کا الحادی پن کھول کر بیان کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں دانش حاضر سے سوز عشق کی توقع نہ رکھ۔ اس کافر کے ساغر میں حقانی نشہ کی کیفیت نہ ڈھونڈ۔ میں ایک عرصہ تک علوم کا راز داں ہوا۔ محنتوں نے میرا امتحان لیا اور مجھے اس چمن کا محرم بنا دیا میں نے اس گلستان (علوم مغرب) کو عبرت کا لالہ زار پایا۔ یہ کاغذی پھول کی خوشبو کا سراب ہے۔ مطلب یہ کہ

kitaabiyat.blogspot.com

خوشبو سے تہی ہے۔اس غرض سے میں نے اس گلستان کے بندھن سے خود کو چھڑایا اور طوبیٰ کے درخت کی شاخ پر آشیانہ بنایا ہے۔جدید علوم حجاب اکبر (خدا اور انسان کے درمیان بہت بڑا پردہ) ہیں اہالیانِ یورپ غلط نظریات کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے اور فروخت کرتے ہیں۔ یہ علوم جدیدہ مظاہر فطرت کے قید خانے سے نہیں نکلتے اور یہ ظاہری حواس کی حدود سے باہر نہیں نکلتے یہ دانش حاضر زندگی کی راہ میں گر پڑتی ہے اس نے خود ہی اپنی گردن پر خنجر رکھا ہے۔ بہ الفاظ دیگر کے یورپ والو تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی۔اس کی آگ گل لالہ کی مثل اور اس کا شعلہ ژالہ کی طرح سرد ہے۔اس کی فطرت عشق کے سوز سے خالی ہے۔اس لیے یہ جہان جستجو میں ناشاد و نامراد ہے۔دانش حاضر کے مینا میں عشق کی شراب نہیں ہے۔یا رب کہہ کر فریاد کرنا اس کی راتوں میں نہیں ہے۔اے مسلمان! تو نے اپنے شمشاد (تعلیمات اسلامی) کی قیمت نہ پہچانی اور دوسروں کے سرو (مغربی تعلیمات) کو بلندی کا درجہ دے دیا۔گویا بانسری کی طرح تو نے اپنے آپ کو اپنے آپ سے خالی کرلیا اور دوسروں کی آواز سے دل لگا بیٹھا ہے۔

اقبال ہر طرح اور ہر طریقے سے افرنگی تہذیب اور لادین نظام معاشرت سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔اسی مقصد کے تحت وہ مسلمانان حاضر سے مخاطب ہیں کہ اے تہذیب و دین کی دولت کے امین وہی ید بیضا اپنی آستین سے نکال۔ہمت کر کے اٹھ اور قومی معاملات کی گرہ کشائی کر۔افرنگیوں کی تہذیب کے نشے کا بوجھ اپنے سر سے اتار دے۔اس کے برعکس اقوام مشرق کی جمعیت کا نقش ثبت کر اور ان اقوام مغرب کے شیاطین کے قبضے سے اپنے آپ کو آزاد کرالے۔

”جاوید نامہ“ میں حکیم الامت فرماتے ہیں کہ افرنگ کے انداز بڑے نرالے اور رنگا رنگ قسم کے ہیں میں ان انداز ہائے رنگ رنگ کو دیکھ کر عبرت پکڑتا ہوں۔مسلمان سے پھر فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص جو فرنگیوں کی تقلید کا غلام بنا ہوا ہے۔آزاد ہو جا اور قرآن پاک کا دامن تھام اور پھر صاحب حرمت بن جا۔

گرچہ دارد شیوہ ہے رنگ رنگ
من بجز عبرت نگیرم از فرنگ ۱۰

ترجمہ: اگرچہ تہذیب فرنگ کے عادات و اطوار شوخ و خوش رنگ ہیں تاہم میں افرنگ سے سوائے عبرت کے اور کچھ نہیں لینا۔

اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامن قرآن بگیر آزاد شو ۱۱

ترجمہ: فرنگی تہذیب کی تقلید کے اسیر (ادھر) آ قرآن کا دامن تھام لے اور مکمل طور پر آزاد ہو جا۔

ان سب مغربی معاشروں کے ارباب بست و کشاد کا ایک ہی نعرہ ہے جسے اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو ۱۲

kitaabiyat.blogspot.com

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاک سرزمین پر بھی آزادخیالی، بے راہ روی، روشن خیالی، سیکولرزم اور لبرلزم کو ہوا دی جا رہی ہے اور یوں لگتا ہے کہ یہ ساری کاروائی امریکی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کی جا رہی ہے۔ یہ سارے اقدام دو قومی نظریہ، ملی ثقافت دینی شعائر اور دینی مسلک کے خلاف ہیں۔ اس طرح کے بھونڈے اقدامات سے ہمارا ملی تشخص بری طرح متاثر ہوگا اور آدھا تیتر اور آدھا بٹیر والی بات ہوگی۔ کیا بین الاقوامی طور پر سافٹ امیج (اعتدال پسندی کا حسین تصور) کو ابھارنا ہمارے لیے ضروری ہے؟

مثلاً ہمارے وطن عزیز میں میراتھن ریس مین مردوں اور عورتوں کا اکٹھے دوڑنا گویا روشن خیالی کا عالمی سرٹیفیکٹ حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ مغربی طرز کی مخلوط معاشرت کی طرف ہم رواں دواں ہیں۔ کیا یہی طرز مسلمانی ہے۔ کیا یہی شیوہ ملت ابراہیمؑ ہے۔ کیا یہی استقامت دین ہے کیا یہی اکمل نمونہ حیات ہے۔ کیا یہی کامیاب طرز زندگی ہے۔ قطعاً نہیں۔ یہ وہم وخیال ہے۔ اقبال نے واضح طور پر فرمایا تھا کہ مغربی علوم وفنون حاصل کرو مگر ان کی تہذیب کے حصول سے پرے رہو۔ اپنی تہذیبی اور تمدنی روایات کو اساس بناؤ۔ اقبال نے امت عربیہ سے چند باتیں کی ہیں۔

اے ز افسون فرنگی بے خبر
فتنہ ہا در آستین او نگر
از فریب او اگر خواہی اماں
اشترانش را زحوض خود براں
حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد
وحدت اعرابیاں صد پارہ کرد

تا عرب در حلقہ دامش فتاد
آسماں یک دم اماں او را نداد ۱۳۰

ترجمہ: اے افرنگیوں کے سحر سے بے خبر شخص (غور کر) اس کی آستیں میں جو فتنے چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں دیکھ (اور سمجھ)۔ اگر تو افرنگی کے مکروفریب سے خلاصی چاہتا ہے تو پھر اس کے اونٹوں کو اپنے حوض سے بھگا دے۔ انگریز کی حکمت عملی نے ہر قوم کی وحدت کو سو ٹکڑوں میں بانٹ دیا۔ جب سے عرب کے لوگ اس افرنگی کے جال کے حلقے میں پھنسے آسمان نے انہیں پل پھر یک لیے بھی آرام سے بیٹھنے نہیں دیا۔

حسب ذیل اشعار افرنگ کی تہذیبی چیرہ دستیوں، لادینی موشگافیوں اور فاسدانہ ہنگامہ آرائیوں کی بطریق احسن غمازی کرتے ہیں۔

آدمیت زار نالید از فرنگ
زندگی ہنگامہ بر چید از فرنگ
یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد
زیر گردوں رسم لادینی نہاد
دانش افرنگیاں تیغے بدوش
در ہلاک نوع انساں سخت کوش
اے کہ جاں را باز می دانی زتن
سحر ایں تہذیب لادینی شکن
اے اسیر رنگ پاک از رنگ شو
مومن خود کافر افرنگ شو

kitaabiyat.blogspot.com

دانی از افرنگ و از کار فرنگ
تا کجا در قید زنار فرنگ
زخم ازو نشتر ازو سوزن ازو
ما و جوئے خون و امید رفو ۱۴

ترجمہ: آدمیت افرنگیوں کے ہاتھوں آہ و فغاں کراہی ہے۔ زندگی نے یورپ والوں سے کئی طرح کے ہنگامے پائے ہیں۔

یورپ اپنی تلوار سے اپنے آپ ہی زخمی ہو چکا ہے۔ اس نے دنیا میں لادینی کی رسم کی بنیاد رکھی ہے۔ افرنگیوں کی دانش کندھے پر تلوار رکھ کر انسانوں کی ہلاکت اور بربادی کے درپے ہے۔ اے مسلمان تو جو روح کو جسم سے علیحدہ سمجھتا ہے (اٹھ) اس لادین تہذیب کے جادو کو توڑ دے۔ اے وہ شخص تو جو مغرب کے ظاہری رنگ کا غلام ہے اس رنگ کو دھو ڈال۔ اپنی تعلیمات کو مان اور افرنگیوں کی تعلیمات کو رد کر دے۔

اے شخص تو فرنگیوں کو بھی سمجھتا ہے اور ان کے کام کر بھی (دوسروں پر غلبہ پانے کی حکمت عملی)۔ (سوچ) تو کب تک فرنگی کے زنار (حلقہ عقیدت) میں قید رہے گا۔

دوسروں پر زخم بھی (افرنگی) کی وجہ سے لگتے ہیں نشتر بھی اسی کا ہے۔ پھر وہی اس زخم کو سینے والا بھی ہے۔ (لہذا) ہم ہیں اور خون کی ندی اور اسی سے زخموں کے ہوئے ہیں سینے کی امید رکھے ہوئے ہیں۔

اسلام سے زیادہ روشن خیالی، جدت پسندی اور ترقی پسندی، اعتدال پسندی اور میانہ روی کے بارے میں کونسا مذہب یا "ازم" کھل کر وضاحت کر سکتا ہے۔ کسی

فلسفہ، آئیڈیالوجی، طرز حکومت اور آئینی ضابطے نے بنی نوع انسان کو وہ احترام نہیں بخشا جو خاصہ اسلام ہیں۔ دراصل اسلام توہمات قصے کہانیاں، یا پراسرار مذہب نہیں ہے۔ بلکہ یہ دین ہے اور پھر دنیا کا دین ہے۔ ہر اصول میں توازن اور خیر انسانیت ہے۔ اسلام دلائل سے بات آگے بڑھاتا ہے۔ اسوۂ رسول اکرم ﷺ کل انسانیت کے لیے نمونہ حیات ہے۔

ہست دین مصطفیٰؐ دین حیات
شرح او تفسیر آئین حیات ۱۵

یورپ اور امریکہ کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی میانہ روی، برداشت آزادی روی اور لادینی روش کو اقبال نے دانش حاضر کی شعری ترکیب میں سمو دیا ہے۔ مفکر ملت یہ کہتا ہے کہ مغرب کی دانش حاضر انسانیت کے لیے ایک عذاب سے کم نہیں اور میں اس عذاب کی شدت سے پوری طرح آگاہ ہوں مزید فرماتے ہیں کہ مجھے دانش حاضر کی آگ میں ڈالا گیا اور میں حضرت ابراہیمؑ کی طرح ایمان وایقان کے ساتھ آگ میں پڑا ہوا اپنے عقیدہ وایمان کی حفاظت کر رہا ہوں۔ گویا مغرب کی روشن خیالی میرے دل کی روشنی نہ چھین سکی۔

عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیلؑ ۱۶
یہ دور اپنے براہیمؑ کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ ۱۷

kitaabiyat.blogspot.com

اقبال "جاوید نامہ" میں فلک عطارد میں سعید حلیم پاشا سے ملاقات کرتے ہوئے اس کی زبان سے فطرت افرنگ و کار فرنگ کے بارے میں کہلواتے ہیں۔ افرنگیوں یعنی اہل یورپ کا شعلہ بجھنے والا ہے یعنی ان کی حکمت و دانائی ظاہری ہے مادی ہے۔ ان کی آنکھ صاحب نظر ہے مگر دل مردہ ہے۔ انہوں نے اپنی ہی تہذیب کی تلوار سے زخم کھائے ہیں۔ اپنا ہی شکار ہو کر زخمی پڑے ہیں۔ فرنگیوں کے انگور سے سوز و مستی مت ڈھونڈ۔ ان کے افلاک میں کوئی اور زمانہ نہیں ہے۔ اب تمہاری آگ سے زندگی سوز و ساز پائے گی۔ نئی دنیا دریافت کرنا تمہارا کام ہے یاد رکھو اگر افرنگ سے لات و منات (تہذیب) کے بت لے آئیں تو اس سے کعبے کا سامان حیات نیا نہیں ہو جاتا۔

شعلہ افرنگیاں نم خوردہ ایست
چشم شاں صاحب نظر دل مردہ ایست
زخم ہا خوردند از شمشیر خویش
بسمل افتادند چوں نخچیر خویش
سوز و مستی را مجو از تاک . شاں
عصر دیگر نیست در افلاک
زندگی را سوز از نار تست
عالم نو آفریدن کار تست
تو نہ گردد کعبہ را رخت حیات
گر ز افرنگ آیدش لات و منات ۱۸

ترجمہ: افرنگیوں کا شعلہ غم خوردہ ہے ان کی آنکھ صاحب نظر ہے مگر دل مردہ ہے۔ انہوں نے اپنی ہی تلوار سے زخم کھائے ہیں۔ اپنے آپ کا شکار ہو کر زخمی پڑے ہیں۔ ان کے انگور سے سوز و مستی مت ڈھونڈ ان کے افلاک میں کوئی اور زمانہ نہیں ہے۔ زندگی سوز و ساز تیری آگ سے ہے نیا عالم پیدا کرنا تیرا کام ہے۔ اگر فرنگ سے لات و منات (تہذیب کے بت) آ جائیں تو اس سے کعبے کا سامان حیات نیا نہیں ہو جاتا۔

اقبال کس قدر جدت پسند ہے کہ ہر آن نیا جہان اور نیا خیال وجود میں لانا چاہتا ہے وہ ہر وقت اور ہر آن مسلسل حرکت اور انقلاب آفرینی کا شاعر ہے۔ اسے صبح و شام کا سکوت بھی ایک آنکھ نہیں بھاتا اور وہ اعلانیہ پکار کر کہتا ہے۔

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختۂ شام و سحر تازہ کریں ۱۹

کائنات مسلسل حرکت پذیر ہے صبح و شام نئی نئی تبدیلیاں عمل میں آتی رہتی ہیں فکر و فن کے نئے نئے آفاق اور تلاش و جستجو کے نئے زمانے وجود پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اسی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر اقبال گویا ہیں کہ کائنات کی نہاد کے اندر نیا پن موجود ہے زندگی کا استحکام تقلید سے نہیں ہے۔ دل نئے نئے جہان پیدا کرتا ہے۔ یعنی نئی تہذیبیں اور سماج نئے وجود میں ڈھلتے رہتے ہیں۔ اس کی روح تقلید سے مردہ ہو جاتی ہے۔ اب علامہ قرآن کی طرف آتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تو مسلمانوں جیسا حوصلہ رکھتا ہے تو اپنے ضمیر اور قرآن پاک پر نگاہ ڈال۔ اس کی آیات میں کئی تازہ جہان موجود ہیں اس کے زمانوں میں بہت سارے دور چھپے ہوئے ہیں۔

kitabiyat.blogspot.com

طرفگیہا در نہاد کائنات
نیست از تقلید تقویم حیات
چوں مسلماناں اگر داری جگر
در ضمیر خویش و در قرآں نگر
صد جہاں تازہ در آیات اوست
عصرہا پیچیدہ در آنات اوست ۲۰

ترجمہ: کائنات کی نہاد کے اندر نیاپن موجود ہے زندگی کا استحکام تقلید سے ممکن نہیں ہے۔ اگر تو مسلمانوں جیسا حوصلہ رکھتا ہے اپنے ضمیر اور قرآن پر نگاہ ڈال اس کی آیات میں سینکڑوں جہان تازہ موجود ہیں اس کے زمانوں میں بہت سارے دور چھپے ہیں۔

اقبال نے وجدان و آگاہی، بصیرت و معرفت سیاسی بصیرت، انسانی تاریخ کا شعور و تجربہ اور ایقان عاشقی کے حوالے سے آنے والے دور کا تجزیہ کیا۔ لہٰذا دورِ جدید کی دانش* حاضر انسانیت کش مادی علوم و نظریات اور تہذیب لادینی سے متعلق فرمایا کہ میں نے دورِ جدید کے بلوری جاموں میں یورپ کے مادی نظریات کی حاملہ تہذیب میں وہ زہر دیکھا کہ جس کی بدولت سانپ بھی پیچ و تاب میں مبتلا ہیں۔ گویا تہذیب حاضر کی اخلاقی اور روحانی تباہ کاریاں بنی نوع انسان کے لیے زہر سے بھی خطرناک اور مہلک ہیں۔ علوم و فنون جدیدہ نے انسان کو ظاہری ٹیپ ٹاپ چمک دمک اور رنگ و روغن سے نوازا ہے۔ مگر اسے انسانی حوالے سے ناکارہ کر دیا ہے۔

من درون شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام
آنچناں زہرے کہ ازدے مارہا در پیچ و تاب ۲۱
انقلاب!
انقلاب! اے انقلاب

زبورِ عجم میں حضرت علامہ نے ''از خواب گراں خیز'' کے حوالے سے افرنگ کے فکر آزاد، روشن خیالی اور اس کی دلربائی کے بارے میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ افرنگ اور اس کی دل کو موہ لینے والی دلکش چالوں سے فریاد ہے اسی طرح افرنگ کی دلربائی اور حیلہ گری سے بھی فریاد ہے۔ الغرض ساری دنیا اہالیان یورپ کی چنگیزانہ صفات سے ویران ہو چکی ہے۔ لہٰذا اقبال یورپ والوں کی تہذیبی دل آویزی، مکروہ حیلہ گری اور مذموم چنگیزیت کے خلاف فریاد کناں ہے۔ اور پھر مسلمان حاضر سے یوں مخاطب ہے کہ اے معمار حرم! اٹھ اور جہان کو نئے سرے سے تعمیر کر جسے تہذیب فرنگ نے ویران کر دیا ہے گہری نیند چھوڑ دے، ہوش میں آ اور مطلوبہ مقاصد کے نتائج حاصل کرنے کے لیے تگ و دو کر۔

فریاد ز افرنگ و دل آویزی افرنگ
فریاد ز شیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمار حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز ۲۲
از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

''بانگ درا'' کی چند نظموں مثلاً ''خطاب بہ جوانان اسلام''، ''شمع اور شاعر''، ''مسلم''، ''خضر راہ'' اور ''طلوع اسلام'' کو پڑھیں اور ان میں مستعمل شعری تراکیب کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اقبال کے دل و دماغ میں یورپ کی کھوکھلی، اطالوی و مادی اور ظاہری چمک دمک والی تہذیب کی بجائے ملی روایات،

kitaabiyat.blogspot.com

جذبہ ملی، جہادی جذبہ، یاد اسلاف، حجازی تہذیب وتمدن سے انس وابستگی پختہ یقینی سوز حیات، دینی مسلک اور دینی شعائر کا احترام کس قدر فراوانی سے ملتا ہے۔ مارچ ۱۹۰۷ء میں اقبال نے بوجہ بصیرت پیشن گوئی کے طور پر کہا تھا۔

نکل کر صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹا دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا ۲۳
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

اسی طرح شمع اور شاعر میں وہ خود اعتمادی اور ذوق یقین سے مسلمانوں کو حوصلہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی ۲۴
شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمہ توحید سے

نظم بہ عنوان ''مسلم'' میں حضرت اقبال کس ایقان عاشقی کے ساتھ اسلام سے والہانہ عقیدت کا ثبوت دیتے ہیں۔

ہم نشیں مسلم ہوں میں توحید کا حامل ہوں میں
اس صداقت پہ ازل سے شاہد عادل ہوں میں

قسمت عالم کا مسلم کوکب تابندہ ہے
جس کی تابانی سے افسون سحر شرمندہ ہے
کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے
ہے بھروسہ اپنی ملت کے مقدر پر مجھے
یاد عہد رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے ۲۵
سامنے رکھتا ہوں اس دور نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں

''نوید صبح'' کے عنوان سے کہی گئی نظم میں اقبال گویا ہیں کہ صبح ہوتے ہی سکوت ٹوٹ جاتا ہے۔ ہر چیز متحرک ہو کر زندگی کا ثبوت دیتی ہے۔

مسلم خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق گرم تقاضا تو بھی ہو
کھینچ کر خنجر کرن کا پھر ہو سر گرم ستیز ۲۶
پھر سکھا تاریکی باطل کو آداب گریز

تہذیب حاضر کے عنوان سے فیضی کے شعر پر تضمین کہتے ہوئے فرمایا کہ تہذیب حاضر کی شراب میں حیرت ناک گرمی اور حرارت ہے اس میں مسلم کا تن خاکی بھبوکہ بن کر بھڑک اٹھا ہے۔ نئی تہذیب نے ظاہر چمک، دمک، خوبصورتی، ظاہری بیداری اور جسم کی آزادی دی ہے۔ گستاخانہ بے باکی سے نوازا ہے۔ حیات تازہ نے رقابت خود فروشی بے صبری اور ہولناکی کی لذتیں پائی ہیں۔ انسانیت کش لوازمات حیات اس تہذیب کی دین ہیں۔

kitaabiyat.blogspot.com

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی ناشکیبائی ہوسناکی ۲۷

اس دور میں علوم جدید کی اساس حواس خمسہ پر ہے۔ محسوسات اس کی بنیاد ہے۔ شعور اور دلائل و براہین کی بات ہے۔ فکر و فلسفہ اور علت و معلول کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا بقول اقبال عقائد کا شیشہ چکنا چور ہے۔ مادی علوم کی یلغار ہے۔ یونان و روم کی لادینی تہذیب کا شباب ہے۔ امریکہ اور یورپی ممالک اسی بنیاد پر روشن خیالی، آزادی روی اور حسی تمدن پر چل رہے ہیں اور بالخصوص اسلامی ملکوں پر آہستہ آہستہ قبضہ کر کے اپنا پدر و مادر کلچر تھوپ کر روشن خیالی اور حسن اعتدال کی طرف گامزن کر رہے ہیں۔

''خضر راہ'' میں علامہ اقبال نے تہذیب حاضر کی روحانی اور اخلاقی تباہ کاریوں کے بارے میں وضاحت سے بتایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ آج پھر نمرود دوراں نئے رنگ میں ابھرا ہے۔ یہ شیطان بزرگ ہے۔ قوموں کو پریشان کرنا، ان پر اپنا کلچر تھوپنا اور اپنی من مانی کرنا ہے۔ امریکہ کے لیے یہ اقبال کا منظوم استعارہ بڑی معنی خیز ہے۔ امریکہ اور یورپ دونوں ہی اسلامی دنیا کے خاص طور پر دشمن بنے ہوئے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں سوائے نام اور ضعیف عقیدے کے مسلمان باقی نہ رہے یعنی وہ عملاً اور فعلاً معاشرتی اور تمدنی طور پر مسلمان نہ رہیں۔

اقبال اس امتحان کے موقع پر امریکہ کی پھیلائی ہوئی فحاشی اور سیکولر آگ کو آتش نمرود سے تعبیر کرتے ہیں اور پختہ یقینی سے گویا ہیں کہ اگر آتش نمرود فروزاں ہے تو پھر اولاد ابراہیمؑ بھی آزمائش پر پوری اترنے کے لیے بالکل تیار ہے۔

آگ ہے اولاد ابراہیمؑ ہے نمرود ہے ۲۸
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

آج پھر امریکہ اور اس کے حواری ممالک چاروں طرف بے چارے نہتے اور بے قصور مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ یہود و ہنود ان کے دست راست بن گئے ہیں۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ سوائے ایک دو ملکوں کے باقی سب کے سب امریکہ کی مٹھی میں ہیں۔ حکمت مغرب نے مسلم امہ کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا ہے۔ مسلم کا خون پانی سے بھی سستا ہے۔

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز ۲۹

اقبال مغرب کے الحادی فلسفہ حیات، مادی اقدار و رفتار، سائنس اور ٹیکنالوجی کی پیش رفت، آزاد خیالی، روشن خیالی، ہیومنزم، سیکولرزم اور مرد و زن کا مخلوط طرز معاشرت، جنسی بے راہ روی اور حسی نظام تمدن سے بخوبی آگاہ ہے۔ اور آنے والے دور کا بھی خداداد بصیرت کے بل بوتے پر تجزیہ کر گیا ہے۔ امریکہ یورپ اور ان کے دیگر حواری ممالک نے مسلمانوں کو دہشت گرد، بنیاد پرست اور انتہا پسند قرار دے کر ان کا جینا حرام کر دیا ہے۔ ایک ایک اسلامی ملک کو ذلیل و خوار کر رہے ہیں۔ مغربی ثقافت فروغ پا رہی ہے۔ مسلم ممالک میں امریکی تعلیمی ادارے قائم ہو رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کی نئی نسل کو روشن خیالی، سیکولر طرز حیات اعتدال پسندی اور

kitaabiyat.blogspot.com

نام نہاد جدت پسندی کی تعلیم جائے۔ان آزمائش کے لمحوں میں اقبال یقین محکم، سوز دروں، جذب مستی، زورِ خودی اور ایقانی جذبے کے ساتھ تلقین کرتے ہیں کہ مسلمان رنگ، نسل قومیت قبیلہ پروری، علاقہ پرستی کو چھوڑ کر حرم کی پاسبانی اتحاد ملت پر زور دیں اور اکٹھے ہو کر حکمت مغرب کی شیطانی یلغار کا منہ توڑ جواب دیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر
جو کرے گا امتیاز رنگ و خوں مٹ جائے گا
ترک خر گاہی ہو یا اعرابی والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگذر ۳۰
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

جنگ عظیم دوم کے بعد امریکہ واحد سپر طاقت بن کر ابھرا۔اشتراکیت کے خاتمہ کے بعد اسلام اس کا صف اول کا دشمن ٹھہرا۔لہذا امریکہ میں ہونے والی گیارہ ستمبر کی دہشت گردی کے بعد ہر مسلمان ملک مشکوک قرار پایا۔گویا تمام اسلامی بلاک کی شامت آگئی اب امریکہ جہاں پناہ شہنشاہ عالم بن کر مسلمان ملکوں پر جنگی حربے آزما رہا ہے۔کہیں جہادی کلچر کو ختم کرنے کے درپے ہے۔مسلمانوں میں روشن خیالی اور حسن اعتدال کے جراثیم پھیلانا چاہتا ہے اس کام کے لیے کروڑوں ڈالر کا فنڈ قائم کیا گیا ہے۔امریکہ اور اس کے حواریوں کا ظلم وستم اور بدمعاشی دیکھ کر اسلامی

بلاک میں انگڑائی آرہی ہے۔ان کا جذبہ حریت آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا ہے خاص طور پر اسلامی ملکوں کی مزاحمتی اور جہادی تنظیمیں آگے آگئے ہیں اور مغربی ممالک ان کی کاروائیوں سے پریشان ہیں۔خاص طور پر عراق میں مسلمانوں کی مزاحمتی تنظیموں نے امریکی اور اتحادی فوجوں کو ناکوں چنے چبوائے ہیں۔امریکہ کے صدر جارج بش نے اپنی ناکامی کا اعتراف کیا ہے۔

تمیز بندہ و آقا فساد آدمیت ہے ۳۱
حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

بہر حال اقبال نے آنے والے دور میں پرامید پیغام دیا ہے۔

تو نے دیکھا سطوت رفتار دریا کا عروج
موج مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ
عام حریت کا جو دیکھا تھا خواب اسلام نے
اے مسلماں آج تو اس خواب کی تعبیر دیکھ
کھول کر آنکھیں مرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ ۳۲

بانگ درا کے آخری حصہ میں "طلوع اسلام" ایک مشہور نظم کہی گئی اس نظم میں بھی اقبال نے مسلمانوں کے عہد غلامی میں حریت کی پیشن گوئی کی اور سہارا دیا۔اور فرمایا کہ مغرب والوں کی استعماری حکمت عملی سے نہ گھبراؤ۔طوفان مغرب نے مسلماں کو مسلماں کر دیا ہے۔مومن پھر عروج پر آئے گا۔خلیل اللہ کے دریا میں پھر گہر پیدا ہونگے۔کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازی بندی ہو رہی ہے۔

kitaabiyat.blogspot.com

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی نطق اعرابی
سرشک چشم مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا
کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا ۴۳

اقبال ملت اسلامیہ کی بیداری، سرشاری اور پختگی کے لیے مغربی نظریات کا محتاج نہیں۔ مغربی تہذیب یعنی جلوہ دانش فرنگ اس کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر سکا کیونکہ خاک مدینہ و نجف اس کی آنکھوں کا سرمہ تھا۔ وہ اپنی تاریخ، ثقافت اور ملی اقدار حیات پر نازاں ہے۔ وہ زور حیدریؓ، فقر بوذرؓ اور صدق سلمانی کا قائل ہے۔ وہ اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی اور ذوق یقین کا متلاشی ہے۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زور حیدرؓ فقر بو ذرؓ صدق سلمانی ۴۴
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے۔
وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندان مغرب کو
ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کارزاری ہے

حکمت مغرب کی ساحرانہ پالیسیاں، خونیں تشدد، سازشی کردار، منافقانہ کردار اور دیگر ہتھکنڈے اسلام کو زوال نہیں دے سکتے۔ امت مسلمہ کو نیست و نابود نہیں کر سکتے۔ بلآخر ایک دن امریکہ بھی تاریخ کا حصہ بن جائے گا۔ اہالیان مغرب کے فلسفہ و فن کی ظاہری تابناکی بھی اپنی موت آپ مر جائے گی اور انشاء اللہ اسلام کو عبور حاصل ہرگا۔ اقبال کا یقین دیکھیے کہ وہ کس ذوق یقین اور ایقان عاشقی کے ساتھ مسلمانوں کو حوصلہ دیتا ہے۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے ۴۵
پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی مکیں آنی ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے
حنا بند عروس لالہ ہے خون جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمار جہاں تو ہے

جبرائیل میں بھی اقبال نے شیشہ گران فرنگ کی بات کی ہے ان کی سحر انگیزی، پرکاری، خاک بازی، اور فکر گستاخ جیسے فکری زاویوں کا تذکرہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تہذیب حاضر کی صراحی لا کی شراب سے بھری ہوئی ہے مگر ساقی کے ہاتھوں میں الا کا پیمانہ نہیں ہے۔ یعنی تہذیب فرنگ لادین ہے۔ حسی تمدن کی پیداوار ہے۔ مزید یہ کہ جو آنکھ سرمہ افرنگ سے روشن ہے وہ فتنہ انگیز اور سخن پرور ہے مگر اس

kitaabiyat.blogspot.com

میں سوز دروں کی نمی اور پاکیزگی نہیں ہے۔ مسلمانوں سے گویا ہیں کہ تمہاری عقل پر افرنگی تہذیب کی مصنوعی صناعی اور حسن ظاہری کا جادو اثر کر گیا ہے ورنہ تمہارا علاج آتش رومی کے سوز حیات میں ہے۔

فرماتے ہیں کہ یورپ کی مادی والحادی تہذیب حاضر نے جو مجھے آزادی بخش رکھی ہے ظاہر میں تو وہ بدنی آزادی ہے مگر باطنی طور پر بڑی ایذا بخش ہے۔ معرفت وآگہی کی روشنی مفقود ہے۔ ایسی بے چارگی اور روحانی افلاس کی موجودگی میں وہ آقائے نامدار سرور کائنات ﷺ کے دربار اقدس پر حاضری دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔ اے مولائے یثرب ﷺ میری دانش اس ماحول کی معاشرت کی بنا پر افرنگی طرز حیات کی حامل ہو چکی ہے اور میرا ایمان بھی توہم پرستی کا شکار ہو چکا ہے۔ ان حالات میں میری چارہ سازی فرمائیں تاکہ میں ایمان ووجدان ومعرفت کی دولت کی حفاظت کرسکوں۔

فرماتے ہیں کہ میں نے یورپ میں مسکن اختیار کیا ان کی تہذیب کی چمک دمک اور درخشندگی کا مظاہرہ دیکھا۔ مگر اس دانش افرنگ کے جلوہ تابناکی سے میری آنکھیں قطعاً نہیں چندھائیں کیونکہ ان آنکھوں میں مدینہ ونجف کی خاک بطور سرمہ عقیدت ڈالی گئی ہے۔ میں خود آگہی اور معرفت قلب ونظر کی بنا پر اس تہذیب یورپ پر فریفتہ نہ ہوسکا۔

۳۶ خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

ارشاد اقبال ہے کہ میں یورپ میں کچھ دن اور قیام پذیر ہو سکتا تھا مگر یہ سر زمین وفلسفہ، عقل وشعور سائنسی اندازوں اور فساد قلب ونظر کی آماجگاہ ہے۔ میرے جذب ومستی، ذوق وشوق اور سوز دروں حیات کے لیے موزوں نہیں۔ یورپ کی تابناکی اور درخشندگی مصنوعی ہے۔ اس جوہر کی تابناکی فقط بجلی کے چراغوں تک محدود ہے گویا تہذیب فرنگ کھوکھلی اور بے بنیاد ہے۔ عیش جہاں کا دوام اس کی تمنائے خام ہے۔

اقبال نے تہذیب فرنگ کا گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ ومشاہدہ کیا تھا اور وہ غور وفکر کے بعد اس مقام پر پہنچے کہ تہذیب حاضر کی کوکھ بانجھ ہے اندر سے کھوکھلی ہے۔ اس کے پاس دولت حضوری نہیں ہے۔ لادین وبے یقین ہے۔ فرماتے ہیں کہ تہذیب نو کے اسیر سن کہ بے یقینی کی زندگی بسر کرنے سے بدرجہا بہتر ہے کسی کی غلامی اختیار کرلی جائے کیونکہ بے یقینی سے غلامی بہتر ہے۔

شاعر اسلام دراصل شاعر آفاق ہے کیونکہ اسلام دنیا کا مذہب ہے۔ بنی نوع انسان کی دینی ودنیوی رہنمائی کے لیئے آیا ہے۔ یہ سلامتی اور امن کا دین ہے۔ فرماتے ہیں کہ یورپ میں فکر وفلسفہ اور علم وہنر کی روشنی عام ہے یہ حقیقت ہے کہ روشنی اور روشن خیالی کے اس چشمے کو حیات ابدی حاصل نہیں ہے۔ اسے دوام حاصل نہیں ہے۔ دلوں کا علم، حکمت، تدبر، غور وفکر، تجارت ومعیشت فقط انسانیت کا لہو پینے کے بہانے ہیں۔ ان کی تعلیم اور مساوات کا نعرہ محض فریب اور مکر وریاکاری ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ اگر میں افکار کے چہرے سے پردہ ہٹادوں تو فرنگ میری جگر پاشی کی نواؤں کی تاب نہ لا سکے گا۔ فرنگی مدنیت کے کرشمے محض بیکاری، عریانی، فحاشی، قمار

kitaabiyat.blogspot.com

بازی۔ بے روزگاری اور افلاس کے نمونے ہیں۔ اس کے کمالات فقط برق و بخارات ہیں۔ ان کی معاشرت کے مشینی نظام نے احساس مروت کو کچل کے رکھ دیا ہے۔ اس مردم کش تہذیب فرنگ کی بجائے اقبال پھر ماضی کو آواز دیتا ہے۔ وہ تہذیب حجازی کے صحرانشینوں کو یاد کرتا ہے۔ جو خبر میں، نظر میں، اذانِ سحر میں یکتا تھے۔ زندگی نے انہی کے جگر سے سوز پایا۔ وہ نوجوانانِ اسلام کو اسلاف کے کارنامے یاد کرا کر سوئے اسلام لانا چاہتا ہے۔ وہ ہر حال میں صراطِ مستقیم پر چل کر حرفِ حق برملا کہنا چاہتا ہے۔ وہ جذب شوق اور عشق و مستی اور سرمایہ جنون کی بات کرتا ہے۔ وہ مسلمانوں کے سینوں کو نورِ ایمان سے منور اور نگاہوں کو تلواروں سے زیادہ تیز دیکھنے کا متمنی ہے۔

دورِ حاضر کی تہذیب ظاہری زیب و زینت اور پُرفن نمائش ہے۔ یہ کھوکھلی اور ناپائدار ہے۔ دین و سیاست کی ایک دوسرے سے علیحدگی اس تہذیب کا کمال ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ تہذیب کی بے بصیرتی ہے۔ فکر فرنگ فکر گستاخ کی حامل ہے جس نے فطرت کی طاقتوں کو عریاں کیا ہے۔ اسی کی بے تاب بجلیوں سے اس کا آشیانہ خطرے میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ جس قوم کے بچے زور خودی اور ہنرمندی کی دولت سے بہرہ ور نہیں اس قوم کے حق میں شراب افرنگ زہر ہے۔ یعنی اس قوم کے لیے تہذیب یورپ انتہائی مہلک اور جان لیوا ہے۔ اسی حوالے سے مزید گویا ہیں کہ اس قوم کے لیے جدت فکر ایک انتہائی خطرناک عمل ہے جس کے افراد ہر بندِ حیات سے لاپروا اور آزاد ہوں، اگرچہ فکرِ خداداد سے زمانہ روشن ہے مگر حد سے گزری ہوئی فکر اور سوچ شیطان کی ایجاد کردہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ تہذیب فرنگ فکر گستاخ کی حامل ہے اور لادینی رسم و رواج، تمدنِ حیات اور زیب و زیبائش کا نام ہے۔ یہ قلب سلیم نہیں

رکھتی اور صراطِ مستقیم سے دور رہتی ہے۔ یہ شراب و کباب، عریانی، فحاشی، مخلوط طرز معاشرت، سیر و تفریح، آزادروی آزاد فکری اور دامن موج کی زندگی کا نام ہے۔ اس کی روشن خیالی ظاہری، مصنوعی اور انسانیت کش ہے۔ یہ تہذیب حاضر سے سینے کی روش، قلب سلیم کی رہنمائی اور ذوق یقین وایقان سے عاری ہے۔

''ضرب کلیم'' میں حکیم الامت فرماتے ہیں کہ دین ہی زندگی کا دستور العمل ہے۔ یہ دین رسول پاک ﷺ اور حضرت ابراہیمؑ کا بھید ہے۔ یہ دین فرمودات حضرت ابراہیمؑ اور شریعت محمدی ﷺ کا ہے۔ یہی حیات فاخرہ کی نشانی ہے۔ یہی دین مادیت اور روحانیت کا بہترین شارح ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر اہالیان یورپ کو اسلام کے نام سے ضد ہے تو اور بات ہے وگرنہ وہ غور سے سن لیں کہ اسی دین کا دوسرا نام فقرِ غیور ہے۔ اقبال جو اس حقیقت کا علم بردار ہے وہ کیسے اور کس طرح یورپ کی نام نہاد روشن خیالی کو برداشت کر سکتا ہے کہ جس کی کوکھ سے عریانی، فحاشی، آزاد خیالی، آزادروی اور مرد و زن کا آزادانہ اختلاط جنم لیتا ہے۔ مگر اقبال کو افسوس تو اس بات کا ہے کہ فرنگی نے اپنی تہذیب کی چمک، دلکشی، فریفتگی، رعنائی دلربائی، حواس باختگی، شوخی اور چنچل پن سے مسحور کر کے مسلمانوں سے وہ مسلمانی خرید لی ہے جس کے ماتھے پر سجدے کا نشان چاند کی طرح روشن تھا۔ فکر افرنگ اور ان کے فلسفہ حیات کی موشگافی کرتے ہوئے حضرت اقبال گویا ہیں کہ اہالیان یورپ نے فطرت کا مطالعہ و مشاہدہ گہرائی اور گیرائی سے کیا۔ تجربات و مشاہدات کی بنا پر رموزِ فطرت سے آگاہی حاصل کر کے انہوں نے سائنسی اصولوں کو دریافت کیا اور مشینیں بنا کر کائنات کو مسخر کرنے لگے۔ انہوں نے ظاہری طور پر تو کامرانی و کامیابی حاصل کی مگر باطنی اور روحانی طور پر

kitaabghar.blogspot.com

کورے رہے۔مادی منفعت ان کے پیش نظر رہی روحانی رفعت وسودمندی کو ازکار رفتہ سمجھا۔حقیقت میں وہ نفع اور نقصان کی ماہیت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔انہوں نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا۔ایٹم کی نشان دہی کی۔برقی آلات تیار کیے۔وجود کو روشن کیا مگر اپنے اندر کی تاریکی کو اجالے میں نہ بدل سکے۔مزید گویا ہیں کہ یورپ والوں کی تہذیب دراصل دل ونظر کی خرابی ہے۔یعنی یہ معرفت کی بصیرت، جذب و مستی، ذوق وشوق، مشاہدات تجلیات اور خلوص والقان عاشقی جیسی صفات بشری سے عاری ہے۔اسی لیے مدنیت فرنگی یعنی تمدن افرنگ کی روح پاکیزہ نہ رہ سکی۔وہ روحانی اور وجدانی کیف وسرور کو چھوڑ کر دنیوی لذت وسرور میں مبتلا ہے ظاہری آسائش اور لذتیں اس کی دلکشی کا سامان مسرت ہیں۔اس طرح روح کی پاکیزگی کے بغیر ضمیر پاک وخیال بلند اور ذوق لطیف کا پروان چڑھنا ناپید ہو جاتا ہے۔حیات اپنی ظاہری شان وشوکت، تازہ ہوس ناکیوں کے باوجود تاریکی اور سیاہ گردی میں مبتلا رہتی ہے۔

اقبال بڑے تاسف سے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ مغرب کی ترقی، مصنوعی روشنی کی چمک دمک سے تمہاری آنکھیں چندھیا رہی ہیں۔میری دعا ہے کہ آپ کی نظر کا نگہباں جناب مصطفےٰ ﷺ کی ذات واجب الاحترام ہوں کہ انہوں نے معراج شریف کے موقع پر خدا کی ذات کا نور دیکھا اور ان کی آنکھیں نہ چندھائیں۔تو فرماتے ہیں کہ اس نور ایزدی کے مقابلہ میں دانش افرنگ کی روشنی اتنی تیز اور آنکھوں کو چندھیانے والی نہیں ہے۔نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ اے مسلمانو تہذیب حاضر سے مرعوب نہ ہونا اور اپنے تہذیب وتمدن پر فخر کرنا۔تہذیب افرنگی سراسر لادینی اور انسانیت کش ہے۔

اگر مسلمان کی لیاقت اور خاصیت میں لا الہ الا اثر کر جائے تو پھر وہ فرنگی کی تہذیب وتعلیم سے متاثر نہیں رہتا۔افرنگیوں کی معاشرت اور تعلیم حاصل کرنے کے باوجود بھی وہ مسلمان ہی رہتا ہے اس کے دل ونگاہ مرعوب نہیں ہوتے۔یہی شان مومن ہے کہ وہ اپنے دل میں کلمہ توحید بسا کر دوسروں کے مادی ارتقاء کی چمک سے متاثر نہیں ہوتا۔

علامہ نے ''ضرب کلیم'' میں ''عورت اور تعلیم'' کے عنوان کو منظوم پیش کیا ہے۔جس میں فرماتے ہیں کہ اگر افرنگی تہذیب، تمدن، اخلاق وثقافت عورت سے ماں بننے کی صلاحیت چھین لیتے ہیں۔تو ایسے تہذیب وتمدن کا ثمر انسانیت کے لیے موت کا پیغام ہے۔ایسا مادی علم جس کی تحصیل سے عورت حقیقی معنوں میں عورت نہ رہے ارباب اہل فکر ایسے ہی علم کو موت سے مشابہ کرتے ہیں۔اگر عورتوں کی تعلیم دین کے پیغامات سے بیگانہ رہے تو عشق ومحبت کے لیے ایسا علم وہنر موت کے مترادف ہے۔اہل نظر یعنی معرفت حقائق اور اسرار خود آگہی والے یورپ کے تہذیب وتمدن سے مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ اہالیان یورپ کے باطن لذت روح وسرور اور کیفیات جذب ودروں سے تہی ہیں۔ان کی ایجاد کردہ عارضی لذتیں اور آرائشیں چند روزہ ہیں۔ان سے روحانی سرور اور قلبی سکون کی لذتیں فراہم نہیں کی جا سکتیں۔اے مسلمان سن! قرآن کا بصیرت افروز مطالعہ کر۔اس کی تلاوت دل کو زبان سے کر۔قرآن کے سمندر میں غوطہ زنی کرتا کہ تجھے مراد حاصل ہو۔میری دعا ہے کہ اللہ تجھے کردار کی تازگی سے نوازے ہے۔اقبال مسلمانوں کی روحانی اور مادی ترقی کا راز قرآن پاک ہی بتاتا ہے۔اخلاقی بالیدگی، روحانی اٹھان اور مادی ترقی قرانی اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے ملے گی۔

kitaabiyat.blogspot.com

تہذیب مغرب عقل کی عیاری اور ہوس نا کی پر اور مدار رکھتی ہے اور ظاہری نمائش اور کھوکھلا پن اس کی صفت عالیہ ہے۔ مغرب کے بتکدوں، گرجا گروں اور درس گاہوں میں ہر طرف ہوس زر، ہوس، نمود، ہوس اختلاط معاشرت، ہوس زن و زنا کی بے حدود خونریزیاں وجود پذیر ہیں۔ عیار اور چالاک عقل ان مغربی کرتوتوں پر پردہ ڈال رہی ہے۔

جہان مغرب کے بتکدوں میں، کلیساؤں میں، مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہے، عقل عیار کی نمائش

اقبال بڑی آزادی اور پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دور جدید میں مسلمان افرنگ کے ظاہری نقش و نگار اور ایجادات و کمالات کے جادو سے متاثر ہو گئے ہیں اور اس طرح زوال بہ آمادہ ہیں۔ ان کی تہذیب فرنگ سے مرعوبیت میرے لیے پریشان کن ہے اسی وجہ سے میری آنکھ افسردہ و پژمردہ ہے۔

یورپ میں مادی پیش رفت اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے عروج سے عیش فراواں کا سامان وجود میں آچکا ہے۔ حکومت بھی خوش ہے۔ تجارت زوروں پر ہے۔ مگر اس ظاہری ترقی و عروج کے باوجود دل تاریک سینوں میں بے اطمانیت کا شکار ہیں اور فرنگی مشینوں کے دھویں سے تاریک ہو چکے ہیں۔ لہذا یورپ کی وادی جو ظاہری طور پر تو امن و امان کی جگہ ہے مگر در حقیقت معرفت الٰہی کے چراغ کے لیے مناسب نہیں ہے۔ مراد یہ ہے کہ خطہ یورپ سائنس تجلیوں اور روشنیوں کا علاقہ ہے مگر معرفت الٰہی سے محروم ہے۔ فرماتے ہیں کہ صنعتی انقلاب کی بدولت یہ جواں مرگ تہذیب عالم نزع میں ہے۔

اقبال "ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ مسلمان غریب بھی ہوں تو اپنے مذہب سے بہت پیار کرتے ہیں۔ موت کو قبول کر لیتے ہیں مگر دین پر مستحکم رہتے ہیں۔ اپنے رسول ﷺ پر جان دے دیتے ہیں اور اف تک نہیں کرتے۔ لہٰذا انہیں ایسے راستے پر ڈالو کہ مسلمان کے دل سے روح محمد ﷺ نکل جائے۔ اسی طرح عربوں کے فکر میں انقلاب لا کر افرنگی مادیت و لادینیت کے تخیلات کو ہوا دو اور یوں اسلام کی حقیقی روح کو حجاز و یمن سے باہر نکال پھینکو۔ افغانستان میں جو غیرت دینی ہے یہ فقط وہاں کے ملاؤں کی بدولت ہے۔ لہٰذا ان کو افغانستان کی سرزمین کے کوہ و دمن سے نکال دو۔ اسی طرح اہل حرم سے ان کی روایات، تمدن، اخلاق اور ثقافت چھین کر ذہنی اور قلبی طور پر ناکارہ کر دو۔ بس اس کے بعد ہر طرف شراب و کباب، قمار و ہجوم زنانِ بازاری کا جلوہ عام ہو گا۔ عریانی، فحاشی اور رنگ رلیوں کے میلے ٹھیلے ہوں گے۔ اس کا علاج اقبال نے یہ بتایا ہے کہ امتوں کی نجات اس میں ہے کہ وہ خودی کی پرورش کریں اور لذت نمود سے آشنا ہوں۔ زور خودی اور شوق نمود کے بغیر کسی طرح کا احترام و وقار نہیں مل سکتا۔

آخر میں "ابلیس اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" کے حوالے سے پیغام دیتا ہے کہ دراصل یہ اقبال ہی ہے جو کہ اپنے کلام کی تپش سے چمن میں رونق افروزی کا باعث ہے۔ یعنی کلام اقبال توحید کے نغموں کا مظہر ہے۔ اسلام کی ترجمانی کرتا ہے۔ ملی اقدار تاریخ اسلام اور ثقافت مسلم کا نمائندہ۔ لہٰذا اسے چمن سے نکال دو۔ مراد یہ کہ اس کے کلام کو بے اثر کر دو۔

اقبال نے بصیرت وجدان، مطالعہ اور مشاہدہ اور تاریخی شعور کی بنا پر تہذیب و تمدن افرنگ کو گہرائی اور گیرائی سے دیکھا، بھانپا اور پرکھا۔ اس نے جدید درس گاہوں

kitaabiyat.blogspot.com

کی تعلیم کو پرکھا اور اس مقام پر پہنچا کہ جدید تعلیمی ادارے بھی افرنگی معاشرت اور تمدن پھیلانے کا باعث بن رہے ہیں۔ نئی نسل ان درسگاہوں سے طرزِ مسلمانی چھوڑ کر باہر نکلتی ہے۔ اسی پس منظر میں گویا ہیں کہ اگرچہ مدرسے کا جوان طالب علم چلتا پھرتا ہوا زندہ نظر آتا ہے مگر حقیقت میں وہ مردہ ہے کیونکہ اپنے زندہ رہنے کی سانسیں افرنگ سے حاصل کر رہا ہے۔ وہ افرنگ والوں سے لب و لہجہ، زبان، تعلیم و تربیت اور خیالات حاصل کرنے میں محو ہے۔ یہ لادینی تعلیم اسے مردہ بنا رہی ہے۔ وہ اپنے عقائد و نظریات کو برطرف کر کے تہذیب فرنگی کو اوڑھنا بچھونا بنا رہا ہے پھر اس کا علاج بتاتے ہیں کہ اے نوجوان مسلم اگر تو اپنا قلب و نظر بچا کر رکھنا چاہتا ہے۔ دل کی دولت کی فراوانی چاہتا ہے تو پھر کسی مردِ مومن کے در پر جا۔ مردِ مومن کی سرسری نظر بھی اگر تجھ پر پڑ جائے گی تو تجھ میں ایمان کا جوہر اور خودی کی بلندی پیدا ہو جائے گی۔

گرچہ مکتب کا جواں زندہ نظر آتا ہے
مردہ ہے مانگ کے لایا ہے فرنگی سے نفس ۳۸
پرورش دل کی اگر مدِ نظر ہے تجھ کو
مردِ مومن کی نگاہ غلط انداز ہے بس

فرماتے ہیں کہ دانش حاضر، تمدن موجود اور تہذیب جدید مردِ مومن کی آخری منزل نہیں ہے۔ صراطِ حیات پر چلتا رہ۔ اپنے قلب و نظر کو تازہ اور بیدار رکھ۔ اپنے نظریات و افکار کا زادِ راہ اپنے پاس رکھ۔ علوم افرنگی اسی دنیا پر محیط ہیں۔ جب کہ مسلمان اس دنیا کے علاوہ آخرت کی دنیا کی فکر بھی کرتا ہے اور عمل بھی کرتا ہے۔ مقام آخرت ہی میں اس کی فلاح اور سلامتی مضمر ہے۔

''ارمغان حجاز'' میں فرماتے ہیں کہ مغربی تہذیب روشن خیالی کا ڈھنڈورا تو ضرور پیٹتی ہے۔ مگر اس کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی ضمیر اور شرافت انسان کے خلاف ہے۔ یہ تہذیب ظاہری حسن و جمال، آزاد خیالی اور آزاد روی کی نمائندہ تہذیب ہے۔ یہ وقارِ آدمیت اور حسن انسانیت پر ایک داغ ہے۔ یہ دل و نظر، معرفت و بصیرت، خلوص و جذبہ، سوز دروں، تپیدِ عشق، مشاہدات و تجلیات کی منکر تہذیب ہے۔ یہ ظاہری بدنی ورمدنی خواہشات و حسیات پر مشتمل ہے۔ چہرہ روشن مگر اندرونی طور پر چنگیزیت سے بھی زیادہ خطرناک اور تاریک تر ہے۔ لہٰذا اس کے ظاہری خدوخال پر مت جا۔

اقبال فرماتے ہیں کہ دورِ حاضر میں روح اور بدن کا مسئلہ پھر پیدا ہو گیا ہے۔ یہ فرق تہذیب حاضر کی پیداوار ہے جو بدن اور جسم کی بات کرتی ہے مگر دل کی دنیا کو بھلا دیتی ہے۔ تہذیب حاضر تجارت، معیشت، سیاست اور دوسرے ہتھکنڈوں سے انسانیت کو ہلاک کر رہی ہے اقبال فرماتے ہیں کہ مادی ترقی کی پیش رفت ہوسِ زر اور ہوسِ نمود کی قائل ہے۔ اور یہ سراسر درندگی ہے اس تہذیب کے عروج کے اسباب اس تہذیب کے درندے ہیں۔ افرنگ کا تہذیب و تمدن دل و نظر کی موت ہے۔

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش ۳۹
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

مندرجہ بالا صفحات میں کلام اقبال کے اردو اور فارسی اشعار کی مدد سے ثابت کیا گیا کہ علامہ نے خود اعتمادی زورِ خودی اور ایقان عاشقی سے اپنی تاریخ، دینی

kitaabiyat.blogspot.com

اقدار اور ثقافت ملی کی ترجمانی کی ہے۔ وہ کبھی دانش حاضر اور تہذیب فرنگ کی سحر آفرینی سے مسحور نہیں ہوئے بلکہ اس لادینی اور سیکولر طرز حیات کی فکر گستاخ کو کھل کر تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

اقبال نے اپنی نظریاتی، تہذیبی اور اخلاقی اقدار کی بہ طریق احسن حفاظت کی ہے اور کسی مقام پر مصلحت اندیشی سے کام نہیں لیا اس نے اپنے اشعار میں جا بجا مغربی ترقی پسندی، تجدد پسندی، روشن خیالی، فکر آزاد اور حسی لذتوں کی وضاحت کی ہے۔ جس طرح اشتراکی افکار کے دانشور اقبال کو اشتراکی ثابت نہ کر سکے اسی طرح جدید دانشور کبھی بھی اس کے کلام کے حوالے سے وہ روشن خیالی ثابت نہ کر سکیں گے جو مغربی تہذیب و تمدن کا طرہ امتیاز ہے۔ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ آئینی طور پر اسے ”اسلامیہ جمہوریہ پاکستان“ کہا جاتا ہے۔ افسوس صد افسوس کہ وطن کے ارباب بست وکشاد امریکی ہدایت اور اشارے پر ثقافت ملی اور صدیوں پرانی مسلمہ روایات و اقدار کے تسلسل کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جہاں پناہ شہنشاہ عالم نہیں چاہتا کہ مسلمان اپنے عقاید و نظریات پر پختگی اور دلجمعی سے ڈٹے رہیں اور جہادی کلچر پر جمے رہیں۔ اس کی خواہش ہے کہ مسلمانان حاضر اس کی ماتحتی میں اسلامی تجدد پسند بن جائیں تا کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری والا معاملہ ٹھہر جائے۔

امریکہ اسلامی ممالک کو بنیاد پرستی اور انتہا پرستی کا طعنہ دیتا ہے اب تو یہاں تک کہتا ہے کہ اسلام پسند قوتیں بھی اسے ایک آنکھ نہیں بھاتیں۔ انشاء اللہ ایسا ہر گز نہیں ہوگا۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جا سکے گا۔ قرآنی صداقت کے مطابق امریکہ اور اس کے حواریوں کا مسلمانوں پر ظلم وستم اور غیض و غضب ان کی موت بن جائے گا۔ ظلم کرنے والے ذلیل اور رسوا ہو کر رہیں گے۔

مسلمان حکمران پوری سامراجیوں کے ہتھکنڈوں کا شکار ہو کر ان کی ذہنی غلامی اختیار کر چکے ہیں۔ لہٰذا ان کی معاشرتی، ثقافتی، سیاسی اور مخلوط طرز حیات کو کامرانی و کامیابی سمجھ کر مایوسی، بے عملی اور بے راہ روی کا شکار ہر گئے ہیں۔ بنا بریں ان میں بے یقینی، بے جہتی اور فکری جمود پیدا ہو گیا ہے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

موجودہ اسلامی ملکوں کے سربراہوں کو چاہیے کہ وہ دانش حاضر کی عطا کی ہوئی روشن خیالی اور اعتدال پسندی سے جان چھڑائیں اور اپنی تہذیب حجازی اور قرآنی دستور حیات کی سمت آ جائیں بقول اقبال مغربی تہذیب و دانش کے اونٹوں کو اپنے حوض سے مار بھگائیں۔ ہمارے لیے اسوہ رسول کریم ﷺ ہی کافی ہے۔ ہمیں اپنی ملی روایات پر فخر ہونا چاہیے۔ عریانیت، بے لگام فکری آزادی، فحاشی اور مغربی تہذیب کی عشرہ طرازیاں ہمارا نصب العین نہیں ہیں۔ اگر ہم معاذ اللہ اپنا دستور شریعت اور روایات و اقدار دینی سے پیچھے ہٹ کر مغربی روشن خیالی کو اپنائیں بھی تو پھر بھی ہم ان کے منظور نظر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا مسلمان ہونا ہی ان کے قریب جرم ہے۔ اس لیے ہمیں پختہ دلی سے اپنی اقدار حیات اور قرآن و سنت سے وابستہ رہنا چاہیے۔

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

ترجمہ: اے مسلمان! اپنے آپ کو مکمل طور پر دربار رسالت ﷺ کے حوالے کر دے۔ اگر تو وہاں تک نہ پہنچا تو سمجھ لے کہ تو سارے کا سارا بولہب ہے۔

kitaabiyat.blogspot.com

اقبال نے یورپ کی پوری معاشرت، حسی تمدن، نفسیات، اغراض حیات، اختلاط مردوزن، عیش و عشرت وار سیکولر نظام حیات کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ ان کی کھوکھلی تہذیب کو بھونڈے نگوں کی ریزہ کاری قرار دیا۔ اس مردخود آگاہ نے اسلامی روایات، اسلامی افکار، اسلامی تمدن حیات اور ثقافت اسلامیہ پر انحصار کرنا سکھایا۔ اسلامی آئیڈیالوجی کو پروان چڑھانے کے لیے اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حصول پر زور دیا۔ اپنی شاعری کو اس طرز فکر کے فروغ کا وسیلہ بنایا۔ اسلام کے پیروکاروں کو پرورش خودی، ذوق نمود اور ذوق یقین کی تلقین کی اور یہ بانگ دہل کہا۔

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو تیرے دل میں لاشریک لہ ۴۴

کتابیات وحوالہ جات

۱۔ بانگ درا۔ تصویر درد۔
۲۔ بانگ درا۔ غزلیات۔
۳۔ بانگ درا۔ طلوع اسلام۔
۴۔ ضرب کلیم۔ مغربی تہذیب۔
۵۔ بال جبریل۔ غزلیات (۲)(۱۴)
۶۔ زبور عجم۔ گلشن راز جدید (جواب۔۶)
۷۔ بال جبریل۔ غزلیات (۲)۱۶۔
۸۔ ضرب کلیم۔ زمانہ حاضر کا انسان۔
۹۔ زبور عجم۔ دعا
۱۰۔ جاوید نامہ۔ حکومت الٰہی۔
۱۱۔ جاوید نامہ۔ حکومت الٰہی۔
۱۲۔ ضرب کلیم۔ ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں کے نام۔
۱۳۔ پس چہ باید کرد۔ حرفے چند با امت عربیہ۔
۱۴۔ پس چہ باید کرد۔ پس چہ باید کرد اے اقوام شرق۔
۱۵۔ اسرار و رموز۔ (در معنی ایں کہ پختگی سیرت ملیہ از اتباع)
۱۶۔ بال جبریل۔ غزلیات ۲ (۲۶)
۱۷۔ ضرب کلیم۔ لاالہ الا اللہ.
۱۸۔ جاوید نامہ۔ سعید حلیم پاشا (شرق وغرب)
۱۹۔ بال جبریل۔ اندرونی سرورق۔
۲۰۔ جاوید نامہ۔ سعید حلیم پاشا (شرق وغرب)

kitaabiyat.blogspot.com

۲۱۔ زبورِ عجم۔ حصہ دوم (۳۰)

۲۲۔ زبورِ عجم۔ حصہ دوم (۱۹)

۲۳۔ بانگِ درا۔ غزلیات۔

۲۴۔ بانگِ درا۔ شمع اور شاعر۔

۲۵۔ بانگِ درا۔ مسلم۔

۲۶۔ بانگِ درا۔ نویدِ صبح۔

۲۷۔ بانگِ درا۔ تہذیبِ حاضر۔

۲۸۔ بانگِ درا۔ خضرِ راہ۔

۲۹۔ بانگِ درا۔ خضرِ راہ۔

۳۰۔ بانگِ درا۔ خضرِ راہ۔

۳۱۔ بانگِ درا۔ طلوعِ اسلام۔

۳۲۔ بانگِ درا۔ خضرِ راہ (صحرانوردی)

۳۳۔ بانگِ درا۔ طلوعِ اسلام۔

۳۴۔ بانگِ درا۔ طلوعِ اسلام۔

۳۵۔ بانگِ درا۔ طلوعِ اسلام۔

۳۶۔ بالِ جبریل۔ غزلیات (۲۔۱۶)

۳۷۔ ضربِ کلیم۔ کارل مارکس کی آواز۔

۳۸۔ ضربِ کلیم۔ محراب گل افغان کے افکار (۹)

۳۹۔ ارمغانِ حجاز (اردو) حسین احمد۔

۴۰۔ ضربِ کلیم۔ تن بہ تقدیر۔

۴۰۔ ارمغانِ حجاز (اردو) حسین احمد۔

۴۲۔ ضربِ کلیم۔ محراب گل افغان کے افکار (۲)

روشن خیالی - اشعارِ اقبالؒ کے آئینے میں

پاکستان کے مایہ ناز مفکر دانشور اور محقق ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کے بقول اقبال کے کلام کا دو تہائی حصہ مسلم اُمہ کو فتنہ فرنگ کے سمجھانے اور اس سے دور رہنے کی تلقین پر مشتمل ہے۔ (مقاصد اقبال از ڈاکٹر عبداللہ) منصف نے اردو اور فارسی کلام کے اُن اشعار کو اس باب میں رقم کیا ہے جو تہذیب فرنگ کے ماتھے کا جھومر تو سمجھے جا سکتے ہیں لیکن مسلم امہ کے عقیدہ و کردار کو بے ثباتی، بے یقینی اور بے حضوری کی غمازی کرتے ہیں۔ یہ اشعار انداز افرنگ، فکر گستاخ، فرنگی مدنیت، تہذیب حاضر، فلسفہ مغرب، جلوہ دانش فرنگ، خرد کی معموری عذاب دانش حاضر، حیلہ افرنگی، شیشہ باز فرنگ، روح فرنگی، فرنگی معاشرت، فرنگی کرشمہ باز، رقص بدن، عقل عیار کی نمائش، فسونِ افرنگ، سیاست افرنگ، نظر ورانِ فرنگی، دانش حاضر، راز دان دانش، فریب عصر، حکیمان فرنگ، دانائے فرنگ، علم و دانش مغرب، تقلید فرنگ، فن افرنگ، عصر حاضر، لردان فرنگ، کشتۂ افرنگیاں، جلوۂ افرنگ، لالہ رویان فرنگ، بند فرنگ، افرنگی بتاں، میخانہ مغرب، طلسم حاضر، کافر نگاہاں، پیمانہ فرنگی، خرد بیگانہ دل۔

علامہ اقبال کی مندرجہ بالا شعری تراکیب اُن کی عرق ریزی، جگر کاوی،

kitaabiyat.blogspot.com

ذہن سوزی، شب و روز کی محنت شاقہ اور فکر خلوت کا نتیجہ ہیں۔ جن سے تہذیب مغرب کی آوارہ مزاجی، بے راہ راوی فکرِ ابلیس، منطق وشعوریت، مادی اقدار، ماورا لطبیعیات کی نفی اور عقل عیار کی نمائش سمجھ میں آتی ہے۔ اقبال گویا ہیں کہ تہذیب فرنگ سے دور رہ کر اُن کے علوم وفنون حاصل کرو اور فکری استعداد پیدا کر کے سائنس اور ٹیکنالوجی میں خود آگے بڑھو۔ مگر اس کے باوجود علامہ حضرت مادی قوت وفکر کو روحانی طاقت کی کمان میں رکھنا چاہتے ہیں کیونکہ بے لگام نشہ قوت ابلیسی نشان راہ ہے جو فرعونیت ونمرودیت کا مظہر ہے۔

اشعار

(حصہ اردو)

بانگ درا

پیرِ مغاں فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیف غم نہیں مجھ کو تو خانہ ساز دے

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہو گا

حرارت ہے بلا کی بادہ تہذیب حاضر میں
بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تنِ خاکی

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی ہوسناکی

آتش نمرود ہے اب تک جہاں میں شعلہ ریز
ہو گیا آنکھوں سے پنہاں کیوں ترا سوزِ کہن

kitaabiyat.blogspot.com

ذوق حاضر ہے تو پھر لازم ہے ایمان خلیل
ورنہ خاکستر ہے تیری زندگی کا پیرہن
شعلہ نمرود ہے روشن زمانے میں تو کیا
شمع خود را می گدازد درمیان انجمن
شیدائی غائب نہ رہ دیوانہ موجود ہو
غالب ہے اب اقوام پر معبود حاضر کا اثر
تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ
ناداں ہیں جن کو ہستی غائب کی ہے تلاش
محسوس ہر بنا ہے علوم جدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
لے رہا ہے مے فروشان فرنگستان سے پارس
وہ مے سرکش حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندان مغرب کو
ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کار زاری ہے

روش مغربی ہے مد نظر
وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

(بال جبریل)

علاج آتش رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
گرچہ ہے دلکشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائرک بلند بال دانہ و دام سے گزر
مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری
تو اے مولائے یثربؐ آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایمان ہے زناری
خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے مری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف
برا نہ مان ذرا آزما کے دیکھ اسے
فرنگ دل کی خرابی خرد کی معموری

kitaabiyat.blogspot.com

میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر
اگر ہوتا وہ مجذوب فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقام کبریا کیا ہے
نہ کر افرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے
کہ بجلی کے چراغوں سے ہے اس جوہر کی براقی
ڈھونڈ رہا فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام
عذاب دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثل خلیل
مجھے وہ درس فرنگ آج یاد آتے ہیں
کہاں حضور کی لذت کہاں حجاب دلیل
پیر میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوان فرنگ
ست بنیاد بھی ہے آئنہ دیوار بھی ہے
یہی زمانۂ حاضر کی کائنات ہے کیا
دماغ روشن و دل تیرہ و نگہ بیباک
یا عقل کی روباہی یا عشق یداللہی
یا حیلہ افرنگی یا حملہ ترکانہ

یہ مدرسہ، یہ جواں ، یہ سرور و رعنائی
انھیں کے دم سے ہے میخانہ فرنگ آباد
نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجت گلگونہ فروش
سرور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ
مئے فرنگ کا تہ جرعہ بھی نہیں ناصاف
سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار
غلامی سے بتر ہے بے یقینی
نگہ آلودہ انداز افرنگ
طبیعت غزنوی قسمت ایازی
مشرق کے خداوند سفیدان فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فلزات
بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
تہذیب نوی کارگہ شیشہ گراں ہے
آداب جنوں شاعر مشرق کو سکھا دو
دوئی " و دیں کے لیے نامرادی
دوئی ا تہذیب کی نابصیری

kitaabiyat.blogspot.com

نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی

ہوا اس طرح فاش راز فرنگ
کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

جہان نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

چشم بینا سے ہے جاری جوئے خوں
علم حاضر سے ہے دیں زار و زبوں

دور حاضر مست چنگ و بے سرور
بے ثبات و بے یقین و بے حضور

آہ یورپ! با فروغ و تابناک
نغمہ اس کو کھینچتا ہے سوئے خاک

آہ مکتب کا جوان گرم خوں
ساحر افرنگ کا صید زبوں

ضرب کلیم

اب ترا دور بھی آنے کو ہے اے فقر غیور
کھا گئی روح فرنگی کو ہوائے زر و سیم

زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

مردہ لا دینی افکار سے افرنگ میں عشق
عقل بے ربطی افکار سے مشرق میں غلام

فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انساں کے لیے اس کا ثمر موت

حرم نہیں ہے فرنگی کرشمہ بازوں نے
تن حرم میں چھپا دی ہے روح بتخانہ

اک شور ہے مغرب میں اجالا نہیں ممکن
افرنگ مشینوں کے دھویں سے ہے سیہ پوش

kitaabiyat.blogspot.com

چھوڑ یورپ کے لیے رقص بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضرب کلیم الٰہی

جہان مغرب کے بتکدوں میں کلیساؤں میں مدرسوں میں
ہوس کی خونریزیاں چھپاتی ہے عقل عیار کی نمائش

ہوا ہے بندہ مومن فسونی افرنگ
اسی سبب سے قلندر کی آنکھ ہے نمناک

تری حریف ہے یارب سیاست افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس

نظروران فرنگی کا ہے یہی فتویٰ
وہ سر زمیں مدنیت سے ہے ابھی عاری

مجھ کو ڈر ہے کہ ہے طفلانہ طبیعت تیری
اور عیار ہیں یورپ کے شکر پارہ فروش

ارمغان حجاز

خرد کی تنگ دامانی سے فریاد
تجلی کی فراوانی سے فریاد

روشن خیالی اور کلام اقبال

(حصہ فارسی)

اسرار و رموز

سوز عشق از دانش حاضر مجوے
کیف حق از جام ایں کافر مجوے

مدتے محو تگ و دو بودہ ام
رازدان دانش نو بودہ ام

دانش حاضر حجاب اکبر است
بت پرست و بت فروش و بت گر است

سینہ عصر من از دل خالی است
می تپد مجنوں کہ محمل خالی است

از فریب عصر نو ہشیار باش
رہ فتد اے راہرو ہوشیار باش

عہد حاضر فتنہ ہا زیر سر است
طبع نا پروائے او آفت گر است

بزم اقوام کہن برہم ازو
شاخسار زندگی بے نم ازو

kitaabiyat.blogspot.com

جلوہ اش ما را زما بیگانہ کرد
ساز ما را از نوا بیگانہ کرد
از دل ما آتش دیرینہ برد
نور و نار لاالہ از سینہ برد
دور حاضر تر فروش و پرفن است
کاروانش نقد دیں را رہزن است
کور و یزداں ناشناس ادراک او
ناکساں زنجیری پیچاک او
چشم او بیباک و ناپرواستے
پنجہ مژگان او گیراستے
صید او آزاد خواند خویش را
کشتۂ او زندہ داند خویش را

پیام مشرق

کشد گرد اندیشہ پرکار مرگ
ہمہ حکمت او پرستار مرگ
خرد افروزد مرا درس حکیمان فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

فرنگ گرچہ سخن با ستارہ میگوید
حذر کہ شیوہ او رنگ جوزنی دارد
فرنگ شیشہ گری کرد و جام و مینا ریخت
بحیرتم کہ ہمیں شیشہ را پری داند
از من اے باد صبا گوے بدانائے فرنگ
عقل تا بال کشود است گرفتار تر است
عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری
عجب این است کہ بیمار تو بیمار تر است
جلوہ او بے کلیمؑ و شعلہ او بے خلیلؑ
عقل ناپروا متاع عشق را غارت گر است
ایں خرابات فرنگ است و ز تاثیر مئیش
آنچہ مزموم شمارند نماید محمود

زبورِ عجم

زمینائے کہ خوردم در فرنگ اندیشہ تاریک است
سفر ورزیدہ خود را نگاہ راہ بینے دہ
فکر فرنگ پیش مجاز آورد سجود
بینائے کورو مست تماشائے رنگ و بو ست

kitaabiyat.blogspot.com

گردندہ تر ز چرخ و ربانیدہ تر ز مرگ
از دست او بدامن ماچاک بے رفوست
قدح خرد فروزے کہ فرنگ داد مارا
ہمہ آفتاب لیکن اثر سحر ندارد
ز علم و دانش مغرب ہمیں قدر گویم
خوش است آہ و فغاں تانگاہ ناکام است
فریاد ز افرنگ و دل آویزی افرنگ
فریاد ز شیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمار حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز
از خواب گراں ! خواب گراں! خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز
اے مسلماناں فغاں از فتنہ ہائے علم و فن
اہر من اندر جہاں ارزاں ویزداں دیر یاب
انقلاب
انقلاب! اے انقلاب
من درون شیشہ ہائے عصر حاضر
آنچناں زہرے کہ ازوے مارہا در پیچ و تاب
انقلاب

انقلاب! اے انقلاب
اگر در دل جہانے تازہ داری بروں آور
کہ افرنگ از جراحت ہائے پنہاں بسمل افتاد است
بگرداں جام و از ہنگامہ افرنگ کمتر گوے
ہزاراں کارواں بگذشت ازیں ویرانہ پے در پے
کند تلافی ذوق آں چناں حکیم فرنگ
فروغ بادہ فزوں ترکند بجام عقیق
فرنگ اگرچہ ز افکار تو گرہ بکشاد
بجرعہ دگرے نشہ ترا افزود
ترا ناداں امید غم گساریہا ز افرنگ است
دل شاہیں نسوزد بہر آں مرغے کہ در چنگ است
بگذر از خاور و افسونئ افرنگ مشو
کہ نیرزد بجوے ایں ہمہ دیرینہ و نو
بدن را تا فرنگ از جاں جدا دید
نگاہش ملک و دیں راہم دوتادید
بہ تقلید فرنگ از خود رمیدند
میان ملک و دیں ربطے ندیدند
فرنگ آئین جمہوری نہاد است
رسن از گردن دیوے کشاد است

kitaabiyat.blogspot.com

خرد جز کافری کافر گری نیست
فن افرنگ جز مردم دری نیست
شرارے جستہ گیر از درونم
کہ من مانند رومی گرم خونم
و گرنہ آتش از تہذیب نو گیر
بردن خود بیفروز اندروں میر
علم حاضر پیش آفل در سجود
شک بیفزود و یقیں از دل ربود

جاوید نامہ

عصر حاضر را خرد زنجیر پاست
جان بے تابے کہ من دارم کجا است
ترک و ایران و عرب مست فرنگ
ہر کسے را در گلو شست فرنگ
شعلہ افرنگیاں نم خوردہ ایست
چشم شاں صاحب نظر دل مردہ ایست
زخمہا خوردند از شمشیر خویش
بسمل افتادند چوں نخچیر خویش

سوز و مستی را مجو از تاک شاں
عصر دیگر نیست در افلاک شاں
زندگی را سوز و ساز از نار تست
عالم نو آفریدن کار تست
وائے بر دستور جمہور فرنگ
مردہ تر شد مردہ از صور افرنگ
گرچہ دارد شیوہ ہائے رنگ رنگ
من بجز عبرت نگیرم ز افرنگ
اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامن قرآں بگیر آزاد شو
دل بہ آیات مبیں دیگر بہ بند
تا بگیری عصر نو را در کمند
درگزر از جلوہ ہائے رنگ رنگ
خویش را دریاب از ترک فرنگ
گر ز مکر غربیاں باشی خبیر
روبہی بگزار و شیری پیشہ گیر
مذہب عصر نو آئینے نگر
حاصل تہذیب لادینے نگر

kitaabiyat.blogspot.com

کشتۂ ناز بتان شوخ و شنگ
خالق تہذیب و تقلید فرنگ
نقش باطل می پذیرد از فرنگ
سرگذشت خود بگیرد از فرنگ
علم و فن را اے جوان شوخ و شنگ
مغز می باید نہ ملبوس فرنگ
ترک از خود رفتہ و مست فرنگ
زہر نوشیں خوردہ از دست فرنگ
بندہ افرنگ از ذوق نمود
می برد از غربیاں رقص و سرود
می شناسی چیست تہذیب فرنگ
در جہان او دو صد فردوس رنگ
ظاہرش تابندہ وگیرندہ ایست
دل ضعیف است دنگہ را بندہ ایست
چشم بیند دل بلغزد اندروں
پیش ایں بت خانہ افتد سرنگوں
عقل و دین و دانش و ناموس و ننگ
بستہ فتراک لروان فرنگ

تا ختم برعالم افکار او
بر دریدم پردہ اسرار او
حرف نہ دارے بانداز فرنگ
نالہ مستانہ از تار چنگ

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر

ہم چناں بینی کہ در دور فرنگ
بندگی با خواجگی آمد بجنگ
شیوہ تہذیب نو آدم دری است
پردہ آدم دری سوداگری است
اے ز افسون فرنگی بے خبر
فتنہ ہا در آستین او نگر
از فریب او اگر خواہی اماں
اشترانش را ز حوض خود براں
حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد
وحدت اعرابیاں صد پارہ کرد
تا عرب در حلقہ دامش فتاد
آسماں یک دم اماں او را نداد

kitaabiyat.blogspot.com

عصر خود را بنگر اے صاحب نظر
در بدن باز آفریں روح عمرؓ
گرچہ شیریں است و نوشین است او
کج خرام و شوخ و بے دین است او
آدمیت زار نالید از فرنگ
زندگی ہنگامہ بر چید از فرنگ
یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد
زیر گردوں رسم لادینی نہاد
دانش افرنگیاں تیغے بدوش
در ہلاک نوع انساں سخت کوش
آہ از افرنگ و از آئین او
آہ از اندیشہ لادین او
علم حق را ساحری آموختند
ساحری نے کافری آموختند
اے اسیر رنگ پاک از رنگ شو
مومن خود کافر افرنگ شو
خیز و از کار امم بکشا گرہ
نشئہ افرنگ را از سر بنہ

دانی از افرنگ و از کار فرنگ
تا کجا در قید زنار فرنگ
زخم ازو نشتر ازو سوزن ازو
ما و جوئے خون و امید رفو
ایں زخود بیگانہ ایں مست فرنگ
نان جو می خواہد از دست فرنگ
از فرنگی می خرد لات و منات
مومن و اندیشہ او سومنات
ما ہمہ افسونیٔ تہذیب غرب
کشتۂ افرنگیاں بے حرب و ضرب
مومن از افرنگیاں دید آنچہ دید
فتنہ ہا اندر حرم آمد پدید
تا نگاہ او ادب از دل نخورد
چشم او را جلوہ افرنگ برد
چشم تو بہ لالہ رویان فرنگ
آدم از افسون شاں بے آب و رنگ
لیکن از تہذیب لا دینے گریز
زانکہ او با اہل حق دارد ستیز

kitaabiyat.blogspot.com

فتنہ ہا ایں فتنہ پرداز آورد
لات و عزیٰ در حرم باز آورد
از فسونش دیدہ دل نا بصیر
روح از بے آبیِ او تشنہ میر
لذت بیتابی از دل می برد
بلکہ دل زیں پیکر گل می برد
کہنہ دزدے غارت او برملاست
لالہ می نالد کہ داغ من کجاست

ارمغان حجاز (فارسی)

مسلمانے کہ در بند فرنگ است
دلش در دست او آساں نیاید
بہ افرنگی بتاں دل باختم من
ز تاب دیریاں بگداختم من
چناں از خویشتن بیگانہ بودم
چو دیدم خویش را نشناختم من
مے از میخانہ مغرب چشیدم
بجان من کہ درد سر خریدم

نشستم با نکویان فرنگی
ازاں بے سود تر روزے ندیدم
طلسم علم حاضر را شکستم
ربودم دانہ و دامش گسستم
خدا داند کہ مانند براہیمؑ
بہ نار او چہ بے پروا نشستم
یکے بنگر فرنگی کج کلاہاں
تو گوئی آفتاب تند و ماہاں
جوان سادہ من گرم خون است
نگہدارش ازیں کافر نگاہاں
ز افرنگی صنم بیگانہ تر شو
کہ پیمانش نمی ارزد بیک جو
نگاہے وام کن از چشم فاروقؓ
قدم بیباک نہ در عالم نو
خنک مرداں کہ سحر او شکستند
بہ پیمان فرنگی دل نہ بستند
مشو نو مید و با خود آشنا باش
کہ مرداں پیش ازیں بودند و ہستند

kitaabiyat.blogspot.com

به تقلید فرنگی پائے کوبی
به رگہائے تو آں طغیان خوں نیست
مبر پیش فرنگی حاجت خویش
زطاق دل فروریز ایں صنم را
اگر ایں آب و جاہے از فرنگ است
جبیں خود منہ جز بر در او
فرنگی را دلے زیر نگیں نیست
متاع او ہمہ ملک است دیں نیست
خداوندے کہ در طوف حریمش
صد ابلیس است ویک روح الامیں نیست
به افرنگی بتاں خود را سپردی
چہ نامردانہ در بتخانہ مردی
خرد بیگانہ دل سینہ بے نور
کہ از تاک نیاگاں مے نخوردی
فرنگ آئین رزاقی بداند
بایں بخشد ازو وا می ستاند

اسرار رموز

ترجمہ: عشق کا سوز دور حاضر کی دانش سے نہ ڈھونڈ اس کافر کے جام سے حق کی سرمستی اور سرشاری تلاش نہ کر۔

- میں اک مدت تک (قیام یورپ کے دوران) تگ ودو کرتا رہا ہوں۔ پھر کہیں جا کر تہذیب حاضر کا رازدان ٹھہرا ہوں۔
- موجودہ دور کی دانش بہت بڑا حجاب (آڑ) ہے اس دانشوری کے علوم بت پرست، بت فروش اور بت گر ہیں۔
- میرے دور کے لوگوں کے سینے دل سے خالی ہیں۔ گویا مجنوں تڑپ سے بے حال ہے کہ محمل خالی ہے۔
- جدید دور کے مکروفریب سے بچ کر رہ۔ اے راہرو ہوشیار رہ کیونکہ راہ میں ڈاکے پڑتے ہیں۔
- دور جدید اپنے اندر بہت سے فتنے رکھتا ہے۔ اس کی بے باک طبیعت سرتا سرآفت ہے۔
- اس جدید عقل و دانش کے دور نے گذشتہ اقوام کی بزم کو درہم برہم کر دیا ہے۔ زندگی کی شاخوں کو نمی سے محروم کر دیا ہے۔
- اس جدید عہد نے ہمیں اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا اور ہماری زندگی کے ساز کو نغمہ سے محروم کر دیا۔
- (اس دانش حاضر نے) ہمارے دل سے عشق کی قدیم آتش چھین لی ہے۔

kitaabiyat.blogspot.com

ہمارے سینوں سے لا الٰہ کا نور نکال دیا ہے۔

- جدید دور عیار اور مکار ہے اس کا کارواں دین کی پونجی کو لوٹنے والا ہے۔
- اس کی عقل اندھی اور خدا ناشناس ہے۔ نا اہل لوگ اس کے پھندے میں پھنس جاتے ہیں۔
- اس کی آنکھ میں بے باکی اور بے حیائی ہے۔ اس کی پلکوں کا پنجہ اپنے شکار کو نہیں چھوڑتا۔
- (پھر بھی) اس کا شکار اپنے آپ کو آزاد کہتا ہے۔ اس کا مارا ہوا اپنے آپ کو زندہ سمجھتا ہے۔

پیام مشرق

ترجمہ: فرنگی (اہالیان یورپ) موت کی پرکار کو اپنی سوچ کے گرد گھماتا ہے۔ اس کی ساری حکمت اور سارا فلسفہ موت کا پرستار ہے۔

- فرنگی داناؤں کے درس نے میری عقل و دانش کو بڑھایا اور صاحب نظر لوگوں کی صحبت نے میرے سینے کو جلا بخشی۔
- اگرچہ اہالیان یورپ ستارون سے باتیں کرتے ہیں ان سے بچ کر رہ کیونکہ ان کے انداز میں جادوگری کا رنگ ہے۔
- فرنگ نے شیشہ گری کی اور مینا و جام بنا لیے۔ لیکن میں حیران ہوں کہ اس شیشہ سازی کو حسین و جمیل سمجھ بیٹھا ہے۔
- اے باد صبا میری طرف سے دانائے فرنگ سے کہہ کہ جب سے عمل نے

بال و پر کھولے ہیں وہ مزید گرفتار ہے۔

- تعجب اس بات پر نہیں کہ تو اعجاز مسیحائی رکھتا ہے بلکہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ تیرے بیمار کا مرض اور بڑھ گیا ہے۔
- (میخانہ فرنگ) کا جلوہ بغیر حکیم کے ہے اور شعلہ بغیر خلیل کے۔ ان کی لاپروا عقل متاع عشق کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔
- یہ خرابات فرنگ ہے (میخانہ فرنگ) اس کی شراب کی تاثیر سے جو چیز بری ہے۔ اچھی نظر آنے لگتی ہے۔

زبور عجم

ترجمہ: میں نے یورپ میں (علم) کی جو شراب پی اس سے میری سوچ اور فکر تاریک ہے۔ اپنی منزل کے مسافر کو ایسی نگاہ عطا فرما جو درست راستہ کی پہچان کر لے۔

- یورپ کا فکر مجاز کے آگے سجدے کی حالت میں ہے وہ آنکھیں رکھتے ہوئے اندھا ہے اور رنگ و بو کے تماشہ میں مست ہے۔
- یورپ آسمان سے بھی زیادہ گھومنے والا ہے۔ اور موت سے زیادہ بربادی لاتا ہے۔ اس کے ہاتھ نے ہمارے دامن کو اس طرح چاک کیا ہے کہ اب وہ رفو ہونے کے قابل نہیں ہے۔
- عقل و خرد زیادہ کرنے والا پیالہ جو فرنگ نے ہمیں دیا ہے۔ وہ سارا آفتاب کی مانند ہے لیکن اس کے باوجود وہ صبح کرنے کی تاثیر نہیں رکھتا۔

kitaabiyat.blogspot.com

- میں یورپ کے علم و دانش کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ جب تک نگاہ ناکام ہے آہ و فغاں خوب ہے۔
- افرنگ (اہالیان یورپ) اور اس کی دل لبھانے والی عادت سے فریاد ہے۔ افرنگ کی دلربائی اور حیلہ گری سے بھی فریاد ہے۔ تمام دنیا اہالیان مغرب کی چنگیزی سے ویران و برباد ہو چکی ہے۔ (اے مسلمان) تو معمار حرم ہے۔ جہان کی از سرِ نو تعمیر لیے اٹھ۔ خوابِ گراں سے بیدار ہو جا۔
- اے مسلمانو! (دور جدید) کے علم و فن سے فریاد ہے۔ دنیا میں شیطانیت عام ہے۔ اور خدا خوفی کم یاب ہے۔ انقلاب انقلاب میں نے دور جدید کے بلوری جاموں میں وہ زہر دیکھا ہے کہ جس سے سانپ بھی پیچ و تاب میں مبتلا ہیں۔ انقلاب انقلاب۔
- اگر تیرے دل کے اندر کوئی تازہ جہان موجود ہے تو باہر لا۔ کیونکہ افرنگ (اہالیان یورپ) اپنے اندرونی زخموں کی تاب نہ لا کر زخمی ہو کر گر پڑا ہے۔
- جام آگے بڑھا اور افرنگ کی گرم جوشی اور عمل کی سرگرمی کی بات چھوڑ۔ کیونکہ اس ویرانے یعنی دنیا سے مسلسل ہزاروں کارواں گذر چکے ہیں۔ (افرنگ کا دور بھی ختم ہونے والا ہے)
- افرنگی دانا اور فلاسفر اپنے ذوق کی تلافی یوں کرتے ہیں کہ شراب کو سرخ جام میں ڈال کر اس کی رنگت بڑھاتے ہیں۔
- اہل مغرب نے اگرچہ تیری فکر سے گرہ کھولی۔ (تیرے علوم و فنون سے ترقی کی راہ اپنائی) مگر اس نے اپنے علوم سے تیری خود فراموشی میں اضافہ کر دیا ہے۔

- اے دانا! تجھے افرنگی حاکموں سے ہمدردی کی توقع ہے (تجھ پر عیاں ہونا چاہیے) کہ شاہین کا دل اس پرندے کے لیے نہیں پسیجتا جو اس کے پنجے میں آ جائے۔
- مشرق سے گزر جا اور تہذیب مغرب سے مسحور نہ ہو کیونکہ ان کے قدیم و جدید (علوم) کی قیمت جو کے برابر بھی نہیں ہے۔
- جب یورپ والوں نے بدن کو روح سے الگ دیکھا تو پھر اس کی نگاہ نے حکومت اور مذہب کو بھی جدا جدا کر دیا۔
- وہ فرنگ کی تقلید میں اپنے آپ سے دور ہو گئے اور ملک و دین میں کوئی رابطہ نہ دیکھا۔
- اہالیان یورپ نے جمہوری آئین کی بنیاد رکھ دی ہے اور شیطان کی رسی کھول کر اسے آزاد کر دیا ہے۔
- اس کی خرد کافری اور کافرگری کے سوا اور کچھ نہیں۔ فرنگیوں کا فن یا آرٹ صرف بنی نوع انسان کو چیرنا پھاڑنا ہے۔
- (اے دور حاضر کے مسلمان) میرے اندر سے شرارے کو لے لے۔ کیونکہ میں رومی کی شکل گرم خون رکھنے والا ہوں۔
- اگر مجھ سے کچھ نہیں لیتا تو پھر تہذیبِ حاضر کی آتش لے لے۔ اس سے اپنا ظاہر چمکا اور اندرونی طور پر مرجا۔
- جدید علم غروب ہونے والوں کے سامنے سجدہ کیے ہوئے ہے۔ یہ شک بڑھاتا ہے اور یقین کو دل سے نکالتا ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ کی طرف اشارہ)

kitaabiyat.blogspot.com

جاوید نامہ

- دورِ حاضر کے لیے عقل پاؤں کی زنجیر بن چکی ہے۔ وہ بے تاب جان جو میں رکھتا ہوں کہاں ہے۔
- ترک ہو یا ایران یا عرب' یہ سب یورپ والوں کی فکر سے سرمست ہیں۔ ہر ایک کے گلے میں فرنگیوں کا پھندا پڑا ہوا ہے۔
- افرنگیوں کا شعلہ نم آلود ہے۔ ان کی آنکھ صاحب نظر ہے مگر دل مردہ ہے۔
- (اہالیانِ یورپ) نے اپنی ہی تلوار سے زخم کھائے ہیں اپنے آپ کا شکار ہو کر زخمی ہو کر گر پڑے ہیں۔
- ان کے انگور کی بیل میں (شراب) سوز و مستی تلاش نہ کر۔ ان کے افلاک میں اور کوئی زمانہ نہیں ہے۔
- زندگی کا سوز و ساز تیری ہی آگ سے ہے نیا عالم پیدا کرنا تیرا ہی کام ہے۔
- فرنگی جمہوری دستور پر افسوس ہے۔ فرنگ کی بانگ صور سے مردہ زندہ ہونے کی بجائے مزید مردہ ہو جاتے ہیں۔
- اگرچہ تہذیب فرنگ رنگا رنگ انداز رکھتی ہے۔ مگر میں فرنگی تہذیب سے صرف عبرت حاصل کرتا ہوں۔
- اے تہذیب فرنگی کی تقلید کے غلام۔ آزاد ہو جا قرآن پاک کا دامن تھام لے۔ مرد حریت بن جا۔
- قرآن پاک کی آیات پر دوبارہ غور کرتا کہ تو عصرِ نو کو اپنی کمند میں گرفتار کر سکے۔

- افرنگی تہذیب کے رنگا رنگ جلوؤں سے درگزر کر افرنگی تہذیبی کو چھوڑ کر خود کو پالے۔
- اگر تو مغربیوں کے مکر و فریب سے باخبر ہے۔ تو پھر لومڑی کا انداز چھوڑ اور کا پیشہ (بہادری اور جرأت کا اظہار) اختیار کر۔
- نیا دستور رکھنے والے دور کا مذہب دیکھ اور لادین تہذیب کا حاصل غور سے دیکھ لے۔
- وہ مغرب کے شوخ و شنگ بتوں کی اداؤں پر مرتا ہے۔ وہ خود خالق تہذیب ہے مگر فرنگیوں کی تقلید کرتا ہے۔
- وہ انگریز سے باطل نقش قبول کرتا ہے اور انہیں سے اپنی تاریخ سیکھ رہا ہے۔
- اے چنچل اور شوخ و شنگ نوجوان علم و فن کے لیے دماغ چاہیے نہ کہ مغربی لباس۔
- ترک جو اپنا آپ بھول چکے ہیں اور افرنگی تہذیب کے نشے میں مست ہیں۔ انہوں نے افرنگیوں کے ہاتھ سے میٹھا زہر کھا لیا ہے۔
- ان مغرب کے غلاموں نے اپنے اظہار کے لیے مغربیوں سے رقص و سرور لے لیا ہے۔
- کیا تو پہچانتا ہے کہ تہذیب فرنگ کیا ہے۔ ان کی دنیا میں رنگوں کی سینکڑوں جنتیں ہیں۔
- تہذیب مغربی کا ظاہر چمکدار اور دلفریب ہے۔ مگر دل کمزور ہے اور نظاروں پر فریفتہ ہے۔

kitaabiyat.blogspot.com

- آنکھ جلوے دیکھتی ہے اور دل اندر سے لرزتا ہے۔ انسان اس بت خانے کے سامنے سر نیچا کر لیتا ہے۔
- اس کی عقل، دین و دانش اور ناموس و ننگ سر برآوردہ فرنگیوں کے شکار بند میں بندھے ہوئے ہیں۔
- میں نے اس کے افکار پر چڑھائی کی ہے۔ اور اس کے بھیدوں کا پردہ چاک کیا ہے۔
- میں نے مغرب کے انداز کے مطابق تہہ دار الفاظ بھی کہے ہیں اور اپنے رباب کے تار سے نالہ مستانہ (شاعری) بھی بلند کیا ہے۔

پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر

- اس طرح تو نے دیکھا کہ فرنگی دور اقتدار میں غلامی نے آقائیت سے جنگ کی ہے۔
- نئی تہذیب کا طریق کار انسان کی چیر پھاڑ ہے تجارت انسان کی چیر پھاڑ کا پردہ ہے۔
- اے وہ شخص جو فرنگی کے جادو سے بے خبر ہے اس کی آستین کے اندر جو فتنے چھپے ہوئے ہیں انہیں دیکھ۔
- اگر تو اس کے مکر و فریب سے بچنا چاہتا ہے تو تو اس کے اونٹوں کو اپنے حوض سے بھگا دے۔

- اس کی حکمت عملی نے ہر قوم کو لاغر اور بے بس کر دیا اور عربوں کو سو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔
- جب سے عربی اس کے جال کے حلقے میں پھنسے۔ آسماں نے ان کو ایک دم کے لیے بھی آرام سے نہیں بیٹھنے دیا۔
- اے صاحب نظر اپنے دور کو سمجھ اور اپنے اندر پھر سے حضرت عمرؓ کی روح پیدا کر۔
- اگرچہ افرنگی علوم کی محبوبہ شیریں اور خوشنما ہو گئی ہے مگر اس میں کج خرامی، شوخی اور بے دینی آ گئی ہے۔
- بنی نوع انسان افرنگیوں کے ہاتھوں سخت فریاد کر رہے ہیں زندگی نے اہل یورپ سے کئی ہنگامے پائے ہیں۔
- یورپ اپنی تلوار سے خود ہی زخمی ہو چکا ہے۔ اس نے دنیا میں رسم لادینی کی بنیاد رکھ دی ہے۔
- اہالیان یورپ کی دانش کندھے پر تلوار رکھے ہوئے ہے۔ اور نوع انسان کی ہلاکت و بربادی کے سخت کوش ہے۔
- افسوس ہے افرنگ پر اور اس کے دستور حیات پر اور اس کے لادین فکر پر بھی۔
- انہوں نے حق و صداقت علم کو ساحری نہیں بلکہ کافری سکھا دی ہے۔
- اے (مغرب کے ظاہری) رنگ کے غلام اس رنگ سے پاک ہو جا۔ اپنی تعلیمات اسلام پر ایمان لے آ اور تعلیمات فرنگ سے انکار کر دے۔
- اٹھ اور قوموں کے معاملات کو سلجھا اور افرنگیوں کے نشہ کو اپنے سر سے اتار میں پھنسا رہے گا۔

kitaabiyat.blogspot.com

- (اے مسلماں) تو افرنگ اور افرنگ کی کاروائیوں کو بھی جانتا ہے تو کب تک افرنگ کی زنار کا قیدی رہے گا۔
- زخمی بھی (فتنۂ افرنگ) کی وجہ سے ہے نشتر بھی اسی کا ہے۔ پھر وہی اس زخم کو سینے والا ہے ہم ہیں اور خون کی ندی۔ اسی سے زخموں کے سینے کی امید رکھے ہوئے ہیں۔
- یہ نوجوان اپنے آپ سے بیگانہ ہے اور افرنگی افکار میں مست ہے۔ افرنگیوں کے ہاتھ سے جو کی روٹی کا خواہاں ہے۔
- یہ فرنگی سے لات و منات (کے بت) خریدتا ہے مومن ہے مگر اس کا دل سو منات بنا ہوا ہے۔
- ہم سب کے سب مغربی تہذیب کے سحر سے ڈسے ہوئے ہیں۔ ہمیں افرنگیوں نے بغیر جنگ و جدل قتل کر دیا ہے۔
- مومن نے افرنگیوں سے جو کچھ دیکھ سو دیکھا ان کی وجہ سے حرم کے اندر فتنے اٹھ کھڑے ہوئے۔
- کیونکہ مسلمان کی نگاہ و دل سے تربیت یافتہ نہ تھی۔ اس لیے اس کی آنکھ جلوہ افرنگ سے چندھیا گئی۔
- تیری نظر افرنگیوں کے سرخ چہروں پر ہے۔ حالانکہ بنی نوع انسان ان کے فریب سے اپنی چمک دمک کھو بیٹھا۔
- مگر (اہالیان یورپ) کی لادینی تہذیب سے بچ۔ کیونکہ وہ اہل حق کے ساتھ دشمنی رکھتی ہے۔

- اس فتنہ پرداز (مغرب تہذیب) نے کئی ایک فتنے پیدا کیے ہیں۔ یہ تہذیب' مغرب پھر سے لات و عزیٰ کو لے کر آئی ہے۔
- اس کے جادو سے دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ اس کی بے آبی سے روح پیاسی مرجاتی ہے۔
- یہ دل سے بے تابی کی لذت چھین لیتی ہے۔ بلکہ مٹی کے اس بدن سے دل کو نکال لیتی ہے۔
- یہ کہنہ مشق چور ہے۔ جو سرعام لوٹ مار کرتا ہے۔ یہ گل لالہ کا داغ بھی چرا لیتا ہے اور کہتا رہتا ہے کہ میرا داغ کہاں گیا۔

ارمغان حجاز

- وہ مسلمان جو فرنگی تہذیب کا اسیر ہے۔ اس کا دل آسانی سے اس کے ہاتھ نہیں آتا۔
- میں یورپ کے حسینوں کو دل دے بیٹھا میں اہل دیر (بتان ہند) کے (حسن کی) گرمی سے پگھل گیا۔
- میں اپنے آپ سے اس قدر بیگانہ ہو گیا تھا کہ جب میں نے اپنے آپ کو دیکھا تو پہچانے نہ سکا۔
- میں نے یورپ کے شراب خانے سے شراب چکھی مجھے اپنی جان کی قسم کہ میں نے دردسر مول خرید لیا۔ میں (جس دن) فرنگی حسیناؤں کے پاس بیٹھا۔

kitaabiyat.blogspot.com

میں نے اس روز سے زیادہ بے کیف و سرور دن کوئی نہیں دیکھا۔

- میں نے علمِ حاضر کا جادو توڑ دیا۔ میں نے دانہ اچک لیا اور اس کا جال توڑ دیا۔ خدا جانتا ہے کہ میں حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس کی (علم حاضر) کی آگ میں کتنی بے پروائی سے بیٹھا۔
- ذرا ان افرنگی کج کلاہوں کی طرف دیکھ تو۔ تو کہے گا کہ یہ سورج اور چاند کی مثل ہیں۔ (میری قوم کا) سادہ دل جوان گرم خون ہے۔ تو اسے ان کافرنگاہوں سے محفوظ رکھ۔
- (اے عبدالعزیز) افرنگی بت خانہ سے بیگانہ تر ہو جا۔ کیونکہ اس کے عہد کی قیمت ایک جو کے برابر بھی نہیں۔ تو فاروق اعظم کی آنکھ سے ایک نگاہ مستعار لے۔ اور پھر نئی دنیا میں بڑی بے خوفی سے قدم رکھ۔
- مبارک ہیں وہ لوگ جنہوں نے اس (انگریز کی تہذیب کا طلسم توڑا۔ اور انگریزوں کے وعدے پر اعتبار نہ کیا۔ تو مایوس نہ ہو اور اپنے آپ کو پہچان کیونکہ جوان مرد اس سے پہلے بھی تھے اور (اب بھی) ہیں۔
- تو فرنگی پیروی میں ناچ رہا ہے۔ تیری رگوں میں خون کا وہ جوش و خروش نہیں ہے۔
- غور سے سن اپنی ضرورت انگریز کے پاس نہ جا۔ اس بت کو دل کے طاق سے نکال دے۔
- اگر تیری شان و شوکت اور جاہ و منصب انگریز کی وجہ سے ہے تو پھر اس کے دروازے کے سوا کہیں اپنی پیشانی نہ رکھ۔

- کوئی بھی دل فرنگی کے ماتحت نہیں ہے۔ اس کا کل سرمایہ ملک ہے دین نہیں ہے۔ وہ ایک خدا ہے کہ جس کی بارگاہ کا طواف کرنے والوں میں سینکڑوں شیطان ہیں مگر ایک بھی روح الامین نہیں ہے۔
- تو نے اپنے آپ کو افرنگی بتوں کے حوالے کر دیا اور کس طرح نامردوں کی مثل بت خانہ میں مرگیا۔ تیری عقل دل سے بیگانہ ہے اور تیرا سینہ سوز سے خالی ہے۔ کیونکہ تو نے بزرگوں کے انگور کی بیل سے شراب نہیں پی۔
- انگریز رزق دینے کا دستور جانتا ہے۔ وہ اس کو عطا کرتا ہے تو کسی دوسرے سے واپس لے لیتا ہے۔

kitaabiyat.blogspot.com

خلاصہ اشعار

اقبال کے مذکورہ بالا اردو کلام میں بانگ درا سے لے کر ارمغان حجاز تک اشعار پڑھ جائیں۔ آپ پر یہ روشن ہو جائے گا کہ اقبال نے یورپ کی نام نہاد روشن خیالی سے سخت برہمی اور بیزاری کا اظہار ہے۔ جو کہ فقط ظاہر بیں لادینی افکار، تنگ نظر، فساد قلب ونظر اور حواس خمسہ تک محدود ہے۔ عقیدہ و معرفت، ذوق و مستی، جذب وشوق، سوز دروں، لذت حضوری، فقر غیور، عشق و جنوں اور دل روشن کے اوصاف سے اس کا باطن خالی ہے۔ یورپ نے عقل پرستی شعار کی۔ مشاہدہ و تجربہ و تجزیہ اور فطرت پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے روحانی اقدار سے منحرف ہو بیٹھا۔ مادی علوم نے سامان راحت وسکون پیدا کیا مگر ساتھ ساتھ مغرب کا انسان اپنی تباہی کی تیاری کر بیٹھا۔ اقبال کی زبان میں جس فکر گستاخ نے فطرت کی قوتوں کو فاش کیا اسی قوت و افزائش کی بجلیوں سے اس کی تہذیب خطرے سے دوچار ہے۔ روشن خیالی فقط دماغ روشن کرتی ہے مگر دل تاریک کر دیتی ہے۔ بے یقینی پیدا کرتی ہے۔ دین وعقیدہ زار وزبوں ہو جاتا ہے۔ اس ظاہری تابناکی اور علوم جدید کے فروغ نے عقائد کا شیشہ پاش پاش کر دیا ہے۔ تہذیب حاضر کی چمک نگاہ کو خیرہ کرتی ہے۔ مگر یہ ضاعی جھوٹے نگوں

کی ریزہ کاری ہے۔ اقبال اس دانش حاضرہ سے پناہ مانگ کر آتش رومی کا سوز چاہتا ہے جس سوز کے حصول میں باطن کی روشنی، ضمیر کی چمک اور دل کی بیداری کا سامان میسر آتا ہے۔ خردمندان مغرب کی حکمت سے خودغرضی، عیاری، مکاری ہوسناکی، عریانی، بے حیائی، بے غیرتی، مردم آزاری اور تیغ کارزاری ملتی ہے۔ دور حاضر مست چنگ وسرور ہے مگر اس کے حصے میں بے ثباتی بے یقینی اور بے حضوری لکھ دی گئی ہے۔ الغرض اقبال کی خرد کی تنگ دامانی اور اس کی عطا کردہ تجلی کی فراوانی سے فریاد کناں ہے۔

حرارت ہے بلا کی بادہ تہذیب حاضر میں
بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تن خاکی
محسوس ہر بنا ہے علوجدید کی
اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش

قارئین کی سہولت کے لئے فارسی اشعار کا ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ تاہم مختصر سا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ اقبال کا زیادہ تر کلام فارسی زبان میں ہے اپنے افکار کے ابلاغ کے لیے شاعر نے زبان فارسی کو ترجیح دی۔

اقبال نے اپنی فارسی تصنیفات میں اُردو سے زیادہ دل پذیر انداز میں روشن خیالی، خردافروزی، تہذیب فرنگ، دانش حاضر، عصر نو، حکیماں فرنگ، فکر فرنگ، علم و دانش مغرب، فن افرنگ، تقلید فرنگ، تہذیب نو، شعلہ افرنگیاں، صور فرنگ، تہذیب لادینے، افسون فرنگی، نشۂ افرنگ، زنار فرنگ، کشتہ افرنگیاں، حلوہ افرنگ، بند فرنگ، میخانہ مغرب، پیمان فرنگی جیسی ترکیبات کو استعمال کیا ہے جو کہ مغربی فکر ونظر کی غمازی

kitaabiyat.blogspot.com

کرتی ہے۔اقبال یورپ کے مادی عروج جو فقط شکمی اور جنسی لذتوں کو فروغ دیتا ہے پسند نہیں کرتا اسی لیے وہ دانش حاضرہ کی کوکھ سے جنم لینے والی مادی تہذیب اور اس کی بے بصری کو تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔بقول اقبال دانش حاضر عشق کا سوز اور حق کی سرمستی وسرشاری عطا کرنے سے قاصر ہے۔فرماتے ہیں کہ میں ایک مدت تک یورپ میں قیام پذیر ہوا اور اس ناطے تہذیب حاضر کا راز داں ٹھہرا ہوں۔موجودہ دانشوری کے علوم بت پرست، بت فروش اور بت گر ہیں۔اس دانش جدید نے عشق کی قدیم آتش چھین لی ہے اور ہمارے سینوں سے لاالہ کا نور نکال لیا ہے۔تہذیب یورپ کی نمائندہ عقل اندھی اور خدا ناشناس ہے۔اس کی آنکھ میں بے باکی اور بے حیائی ہے۔عقل و خرد زیادہ کرنے والا پیالہ جو فرنگ نے ہمیں دیا ہے۔وہ سارا آفتاب ہے مگر اس میں صبح کرنے کی تاثیر نہیں ہے۔دنیا میں دور جدید کے علم وفن سے فریاد ہے۔دنیا میں شیطانیت عام ہے اور خدا خوفی کم یاب ہے۔فرنگیوں کا فن بنی نوع انسان کو چیرنا پھاڑنا ہے۔تہذیب حاضر کی آتش ظاہر کو چمکا دیتی ہے مگر باطنی طور پر ہلاک کر دیتی ہے۔جدید علم شک بڑھاتا ہے اور یقین کو دل سے نکال دیتا ہے۔افرنگیوں کی آنکھ صاحب نظر ہے مگر دل مردہ ہے۔اے انسان افرنگی تہذیب کو چھوڑ کر خود کو پالے۔میں نے یورپ کے افکار پر چڑھائی کی اور اس کے بھیدوں کو فاش کیا۔یورپ نے دنیا میں رسم لادینی کی بنیاد رکھی۔اس کے لادین فکر پر افسوس ہے۔مغربی تہذیب کی فتنہ کاریوں کو سمجھا کر ہمیں بتاتے ہیں کہ اپنے دور کو سمجھو اور پھر سے اپنے اندر روح عمرؓ پیدا کرو۔اپنی تعلیمات اسلام پر ایمان لے آؤ اور تعلیمات فرنگ سے انکار کر دو۔

سوز عشق از دانش حاضر مجوے
کیف حق از جام ایں کافر مجوے
از دل ما آتش دیرینہ برد
نور و نار لاالہ از سینہ برد
جلوہ او بے کلیم و شعلہ او بے خلیل
عقل نا پروا متاع عشق را غارت گر است
خرد جز کافری کافر گری نیست
فن افرنگ جز مردم دری نیست
اے بہ تقلیدش اسیر آزاد شو
دامن قرآں بگیر آزاد شو
یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد
زیر گردوں رسم لادینی نہاد

kitaabiyat.blogspot.com

اقبال کی اٹھان

(بچپن سے مارچ 1933 تک، زندہ رود جلد اوّل کے حوالے سے)

زندہ رود جلد دوم:

اقبال کے گھر کا ماحول دیندارانہ اور درویشانہ تھا۔ محمد اقبال کے والد شیخ نور محمد بڑے دین دار اور پرہیزگار تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ بچے کو صرف دینی تعلیم سے آراستہ کریں۔ ان کے سیالکوٹ کے عالم فاضل لوگوں سے دوستانہ تعلقات تھے۔ جب اقبال چار سال چار ماہ کے ہوئے تو ان کے والد گرامی انہیں مسجد میں مولانا غلام حسن کے پاس لے گئے۔ اس مسجد میں انہوں نے قرآن کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اس کے بعد وہ مولانا سید میر حسن کے مکتب میں چلے گئے۔ جہاں انہوں نے اردو فارسی اور عربی ادب پڑھنا شروع کیا۔ میر حسن نے بڑی توجہ سے اقبال کو تعلیم دی۔ یہ سلسلہ تین سال تک چلتا رہا۔ انہیں اسکاچ مشن اسکول میں رکھ لیا گیا۔ وہیں پر اقبال کو بھی داخل کرادیا گیا۔ میر حسن نے اقبال کو عربی، فارسی، اور اردو ادبیات، علم و حکمت اور تصوف کی تعلیم دے کر علوم قدیمہ اور اسلامیہ کے لیے ان کے دل میں تڑپ پیدا کر دی تھی۔ بچپن اور لڑکپن ہی سے فجر کی تلاوت قرآن بڑے وجد آور لہجے میں پڑھتے

تھے۔ اقبال اپنے آئندہ کے دستور حیات کے متعلق یوں بیان فرماتے ہیں، ایک دن والد مرحوم نے مجھ سے کہا کہ ”میں نے تمہارے پڑھانے لکھانے پر جو محنت صرف کی ہے۔ میں تم سے ان کا معاوضہ چاہتا ہوں“۔ میں نے بڑے شوق سے پوچھا ”کہ وہ کیا ہے“۔ والد مرحوم نے کہا ”کسی موقع پر بتاؤں گا“۔ چنانچہ انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ ”بیٹا میری محنت کا معاوضہ یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت کرنا“۔ بات ختم ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے امتحان وغیرہ دے کر اور کامیاب ہو کر لاہور میں کام شروع کر دیا۔ ساتھ ہی میری شاعری کا چرچا پھیلا۔ نوجوانوں کے لیے اسلام کا ترانہ بنایا اور دوسری نظمیں لکھیں۔ اور لوگوں نے ان کو ذوق شوق سے پڑھا۔ اور سنا اور سامعین میں ولولہ پیدا ہونے لگا تو ان ہی دنوں میرے والد مرض الموت میں بیمار ہوئے۔ میں ان کے دیکھنے کو لاہور سے آیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھا کہ ”آپ سے میں نے جو اسلام کی خدمت کا عہد کیا تھا وہ پورا کیا یا نہیں“۔ انہوں نے بستر مرگ پر شہادت دی۔ ”کہ تم نے میری محنت کا معاوضہ ادا کر دیا۔“ (۱)

قیام یورپ کے دوران اقبال طہارت کے لیے پانی استعمال کرنے کی خاطر لوٹا بھی اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ فرماتے ہیں ”میں جب طالب علمی کے سلسلہ میں انگلستان گیا تو میرا لوٹا میرے ساتھ تھا۔ میں جب کبھی رفع حاجت کے لیے غسل خانے جاتا تو میرا لوٹا میرے ساتھ ہوتا۔ چند روز اسی طرح گذر گئے۔ آخر میری میزبان یعنی مالکہ مکان سے نہ رہا گیا (یہ خاتون پچاس سال کے لگ بھگ ہوں گی اور میرے ساتھ نہایت مہربانی سے پیش آتی تھیں) مجھ سے پوچھنے لگیں یہ چیز تم غسل خانے میں کیوں لے جاتے ہو۔ میں نے کہا اسلامی طہارت کا ایک قاعدہ یہ ہے کہ قضائے حاجت کے بعد صرف کاغذ یا مٹی کے ڈھیلے کا استعمال کافی نہیں ہے بلکہ پانی

kitaabiyat.blogspot.com

سے استنجا کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ میں نے اس کے سامنے طہارت اور غسل کے اسلامی اصول بیان کیے۔'' (۲)

لندن میں ٹھہراؤ کے دوران اقبال نے اسلامی دین وتمدن پر لیکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جس کے موضوعات تھے۔ اسلامی تصوف، مسلمانوں کا اثر تہذیب یورپ پر، اسلامی جمہوریت، اسلام اور عقل انسانی وغیرہ۔ (۳)

قیام یورپ کے دوران اقبال میں جو سب سے بڑا انقلاب آیا وہ وطنی قومیت اور فلسفہ وتصوف سے متنفر ہو کر ذہنی اور قلبی طور پر ان کا اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا تھا.......... سر عبدالقادر صرف سرسری طور پر ذکر کرتے ہیں کہ ''اقبال کو جب مغربی معاشرت کے نقائص دیکھنے کا موقع ملا تو تہذیب یورپ کی زر پسندی اور کم ظرفی نے ان کی طبیعت کو متنفر کر دیا''۔ (۴)

''اقبال میں مغرب زدگی یورپ جانے سے قبل تھی نہ قیام یورپ کے دوران نظر آئی۔ ان کی نظر محققانہ تھی۔ اس لیے ان میں مغرب کی کورانہ تقلید کا شائبہ تک پیدا نہ ہوا۔ انہوں نے یورپ کے ظاہری حسن کا تماشہ ضرور کیا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے باطن پر بھی گہری نگاہ ڈالی۔ عقلی علوم اور سائنس وٹیکنالوجی کی کرشمہ سازیاں دیکھیں مگر ساتھ ہی مشاہدہ کیا کہ یورپی علم وہنر کا منتہائے نظر تن ہے من نہیں۔ یعنی یورپ میں دماغ کی تربیت تو ہو جاتی ہے لیکن دل تشنہ رہ جاتا ہے۔ یورپ کی زیرکی کی بنیاد مادہ پرستی پر رکھی گئی ہے۔ اس کا نصب العین مفاد اندوزی تھا اور وہ اس جذبہ عشق سے محروم تھی جو روح کے اندر حقیقی معنوں میں احترام آدمیت یا انسان دوستی کا خلاق ہے اور ارتقا کے حیات کا ضامن ہے۔ اس لیے ان کی مشرقی بصیرت نے بھانپ لیا کہ یورپ کی تہذیب میں خرابی کی صورت مضمر ہے وہ اس کی تجلی عارضی نوعیت کی ہے۔'' (۵)

اقبال نے مارچ ۱۹۰۷ء میں کہی گئی غزل میں یورپ کی اصلیت کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ یورپ کے نسلی امتیاز، وطنیت اور لبرل تصور کو اس غزل میں نشانہ بنایا گیا ہے۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

''کہ اس زمانے میں ملوکیت، استعمار اور وطنی قومیت کی مخالفت میں یورپ میں بعض تصورات مثلاً بین الاقوامیت (کاز موپالی ٹینزم)، انسان دوستی (ہیومنزم)، اشتراکیت، ریڈیکل ازم، سوشلزم وغیرہ موجود تھے جو احترام آدمیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے عالمی اخوت کی بنیادوں پر ایک نئی دنیا وجود میں لانے کی ترغیب دیتے تھے۔ اور روس میں تو کئی خفیہ سوسائٹیاں عملی طور پر ملوکیت کے خلاف برسر عمل تھیں۔ اقبال نے اگر ملوکیت، استعمار یا وطنی قومیت کو رد کیا تو ان تصورات میں سے کسی ایک کو قبول کرنے کی بجائے اسلام کے بنیادی اصولوں کی طرف رجوع کیوں کیا۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ تمام متذکرہ تصورات ونظریات یورپ کے فلسفہ عقلیت کی پیداوار تھے ان کی بنیاد مادہ پرستی پر رکھی گئی تھی۔'' (۶)

''اقبال پر یورپ آنے سے کئی برس قبل لاہور میں طالب علمی کے زمانے میں اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں کے یورپی فلسفہ عقلیت کا کھوکھلا پن ظاہر ہو چکا تھا۔ اس وقت انہوں نے اس کا قابل فہم جواب وجودی تصوف میں پایا تھا۔ مگر اب ان کے لئے فلسفہ اور وجودی تصوف دونوں اپنی اہمیت کھو چکے تھے۔ وہ مقام عقل سے گزر کر مقام شوق کی طرف رواں دواں تھے۔ فلسفہ ان کے نزدیک ایک بیکار ذہنی مشق کی حیثیت اختیار کرتا جا رہا تھا اور وجودی تصوف کی تعلیمات کو وہ افیون کا نشہ سمجھنے لگے تھے۔'' (۷)

زندہ رود جلد دوم:

اقبال یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس آئے تو فکر معاش لاحق ہوئی۔ لہذا بیرسٹر ہونے کے ناطے وکالت کا پیشہ اختیار کیا، اس کے ساتھ ساتھ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ پڑھانا شروع کیا۔ وکالت اور معلمی کے علاوہ وہ سماجی کاموں میں بھی بھرپور حصہ لینے لگے مثلاً انجمن اسلامیہ لاہور۔ وہ سیدھی سادی اور دیانتدارانہ زندگی بسر کرنے میں یقین رکھتے تھے۔ ریاکاری، منافقت اور چاپلوسی سے کوسوں دور بھاگتے تھے۔ دراصل یورپ سے واپسی پر انہیں عملی زندگی کے حقائق کا سامنا کرنا پڑا تو سخت گھبرائے۔ مالی مشکلات کے علاوہ وہ ازدواجی زندگی کی بے سکونی اور ذہنی کرب واضطراب سے گزر رہے تھے۔

جہاں تک اقبال کے کمالات وحقائق کا تعلق ہے ان کی زندگی کی اٹھان پر نگاہ رکھیں تو واضح ہو جائے گا کہ ''ان کو بچپن ہی سے صوم وصلوٰۃ کا پابند رہنے اور ہر صبح خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی تربیت دی گئی تھی ذرا بڑے ہوئے تو والد کی تقلید میں تہجد پڑھنے کی عادت پڑ گئی اور شب کے آخری حصہ میں بیدار ہونے کے سبب رات کا کھانا چھوٹ گیا جب لاہور آئے تو شب بیداری کی عادت قائم رہی۔ عموماً صبح کی نماز بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھتے اور نماز کے بعد خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے۔ مدتوں تک شب کا کھانا نہ کھانے کے سبب انہیں رات کو بھوک ہی نہ لگتی تھی۔ صرف نمکین کشمیری چائے کی ایک آدھ پیالی پی لیا کرتے۔''(۱)

مولانا مودودی نے اپنے ایک مضمون میں جو ۱۹۳۸ء میں اقبال کی وفات کے بعد رسالہ جوہر دہلی میں شائع ہوا۔ اقبال کی شخصیت کے متعلق لکھا،

''اقبال کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ فقط اعتقادی مسلمان تھے۔ عمل سے ان کو کچھ سروکار نہ تھا۔ اس بدگمانی کے پیدا کرنے میں خود ان کی افتادِ طبیعت کا بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ان میں کچھ فرقہ ملامتیہ کے سے میلانات تھے جن کی بنا پر اپنی رندی کے اشتہار دینے میں انہیں کچھ مزا آتا تھا۔ ورنہ درحقیقت وہ اتنے بے عمل نہ تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت سے ان کو خاص شغف تھا اور صبح کے وقت بڑی خوش الحانی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ مگر اخیر زمانہ میں طبیعت کی رقت کا یہ حال ہو گیا تھا کہ تلاوت کے دوران میں روتے روتے ہچکیاں بندھ جاتی تھیں اور مسلسل پڑھ ہی نہ سکتے تھے۔ نماز بھی بڑے خشوع وخضوع سے پڑھتے تھے مگر چھپ کر۔ ظاہر میں یہی اعلان تھا کہ نرا گفتار کا غازی ہوں۔''(۲)

یہ بات درست ہے کہ وہ گانے کا شوق رکھتے تھے۔ وکالت کے دوران ابھی ایام جوانی ہی تھے کہ وہ شہر کے باذوق رئیسوں سے متعارف ہوئے اور ان کی رقص وسرور کی محفلوں میں جانے لگے۔ سو اس زمانے میں راگ رنگ ان کے ذہن ونظر پر چھایا ہوا تھا۔ مرزا جلال الدین ان کے ہم پیشہ وکیل تھے ان کے ساتھ وہ اکثر راگ اور گانے کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ اقبال کی یہ زندگی ۱۹۱۳ء میں ختم ہو گئی۔ راگ گانے کی محفلوں کے علاوہ ان کی کسی فحاشی، مے نوشی یا کسی اور عیاشی کا ثبوت نہیں ملتا۔ بقول مرزا جلال الدین یہ اقدام بھی محض دن بھر کی دماغی کاوشوں اور عدالتی موشگافیوں کی بھرمار کی بدولت اٹھایا گیا۔ اس طرح ذہنی تھکاوٹ دور ہو جاتی اور تازہ دمی واپس آ جاتی۔

اقبال کردار کی گراوٹ کسی لحاظ سے پسند نہ کرتے تھے اس سلسلہ میں ایک واقعہ منقول ہے کہ ''انارکلی والے مکان میں رہائش کے دوران اقبال کو اپنے ایک رشتہ دار کے لاابالی پن کے سبب پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ غالباً ۱۹۱۵ء میں ان کا ایک بھانجا اسی مکان میں اقامت پذیر ہوا۔ گرمیوں کی تعطیلات میں اقبال حسب معمول اپنی بیگمات کے ہمراہ سیالکوٹ گئے ہوئے تھے اور بھانجا گھر میں اکیلا تھا۔ وہ بازار حسن سے ایک ہندو لڑکی کی التجاؤں سے متاثر ہو کر اسے گناہ آلود زندگی سے نجات دلانے کے لیے گھر لے آیا اور اس سے نکاح پڑھوا کر اپنے ساتھ ٹھہرا لیا۔ لڑکی کے سرپرستوں نے اقبال کے بھانجے کے خلاف اغوا کی رپٹ پولیس میں لکھوادی۔ تعطیلات کے اختتام پر جب اقبال واپس لاہور پہنچے تو پولیس لڑکی کو برآمد کرنے کے لیے ان کے مکان پر آ گئی۔ بھانجے نے لڑکی کو کوٹھے پر کبوتروں کے ڈربے میں چھپا رکھا تھا۔ بہرحال لڑکی کے بیان سے فیصلہ تو بھانجے کے حق میں ہو گیا۔ لیکن اقبال بہت برہم ہوئے اور بھانجے کو اس کی بیوی سمیت گھر سے نکل جانے کا حکم دیدیا اور پھر ساری عمر اس کی صورت تک دیکھنے کے روادار نہ ہوئے۔'' (۳)

جہاں تک مے نوشی کی تہمت کا تعلق ہے راقم کی تحقیق کے مطابق ایسی کوئی موثر شہادت موجود نہیں جس سے یہ الزام ثابت ہو سکے۔ لاہور میں اقبال کی طالب علمی کے عہد میں غلام بھیک نیرنگ نے انکے حالات قلم بند کیے لیکن ان میں شراب نوشی کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ علاوہ اس کے ان ایام میں اقبال کے وسائل بھی محدود تھے کیونکہ اپنے تعلیمی اخراجات کے لیے وہ بڑے بھائی کے دست نگر تھے۔ ابتدائی پانچ سالہ ملازمت کے دور سے متعلق بھی سید تقی شاہ سرعبدالقادر اور محمد دین فوق کے بیانات یا تحریریں موجود ہیں جس میں میخوری کا ذکر نہیں ہے۔ قیام یورپ کے دوران

سر عبدالقادر اور عطیہ فیضی کا اقبال سے خاصا میل جول تھا۔ راقم کے روابط عطیہ فیضی کیساتھ ان کی وفات تک قائم رہے اور کراچی میں کئی بار ان سے ملاقاتیں ہوئیں۔ اس سلسلہ میں راقم کے استفسار پر عطیہ فیضی نے بتایا کہ انہوں نے یورپ میں کسی موقعہ پر بھی اقبال کو شراب پیتے نہیں دیکھا۔ یورپ سے واپسی پر مولوی احمد دین اور نواب سر ذوالفقار علی خان جو مرزا جلال الدین کی طرح اقبال کے بے تکلف احباب میں سے تھے، نے ان کے سوانح حیات لکھے۔ لیکن میخوری کا ذکر نہیں کیا۔ مرزا جلال الدین نے اقبال سے متعلق اپنے بیانات میں رقص وسرود کی محفلوں میں انکے شریک ہونے یا کسی مغنیہ کے بالاخانہ پر جا کر گانا سننے کا ذکر تو ضرور کیا ہے مگر مے نوشی کا ذکر نہیں کرتے۔ راقم کی خط وکتابت اقبال کے اس دور کے ایک اور بے تکلف دوست سردار امراؤ سنگھ شیر گل سے بھی رہی ہے۔ وہ بھی یہی تحریر کرتے ہیں کہ اقبال نے ان کے سامنے کبھی شراب نہیں پی تھی۔ اقبال کسی مقدمہ کے سلسلہ مین غالباً ۱۹۱۲ء میں کیمبل پور گئے وہاں ان کے ایک وکیل دوست نے دعوت کا اہتمام کیا جس میں چند مقامی انگریز حکام بھی مدعو تھے اور شراب کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اس دعوت میں ساڑھے تیرہ سالہ شیخ اعجاز احمد موجود تھے جو ان دنوں اپنے والد کے پاس کیمبل پور گئے ہوئے تھے اور جنہیں اقبال اپنے ساتھ اس دعوت میں لے گئے۔ ان کے بیان کے مطابق جب اقبال کو ان کے دوست نے شراب کا جام پیش کیا اور پینے پر اصرار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ جس شے کو میں نے یورپ میں رہ کر کبھی منہ نہ لگایا اسے اب کیا پیوں گا۔ انارکلی والے مکان یا میکلوڈ روڈ والی کوٹھی میں اقبال کی دو بھتیجیاں بھی ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ جو یہیں جوان ہوئیں۔ ان میں سے ایک کا حلفیہ بیان ہے کہ اقبال

kitaabiyat.blogspot.com

نے کبھی شراب سے شغف نہیں رکھا اور ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے انکے مشاہدے میں کبھی کوئی ایسا واقعہ نہیں آیا جس سے یہ شبہ بھی ہو سکتا کہ وہ شراب کا شوق کرتے تھے اقبال کے جواں سال عقیدت مندوں میں سے ایک خواجہ عبدالوحید جو اقبال کو یورپ سے واپسی کے فوراً بعد سے جانتے تھے اور آخری عمر تک ان سے روابط قائم رکھے، اپنے مضمون ''میری ذاتی ڈائری'' میں ذکرِ اقبال میں تحریر کرتے ہیں کہ انہوں نے اقبال کو شروع سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً ''تیس برس'' حقہ پیتے دیکھا اور کبھی یہ نہ سنا کہ انہوں نے اس تمام زمانے میں شراب کو ہاتھ لگایا اسی طرح جاوید منزل میں قیام کے دوران جہاں راقم سن تمیز تک پہنچا، اقبال کو اس نے کبھی شراب پیتے نہیں دیکھا بلکہ راقم اس سلسلہ میں علی بخش سے اقبال کی برہمی کے واقعہ کا شاہد ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ۱۹۳۸ء کے اوائل میں ایک دن کوئی سکھ اقبال سے ملنے کے لیے آیا۔ اس وقت اقبال کے پاس ایک عرب قاری بھی بیٹھے ہوئے تھے جو انہیں آخری ایام میں قرآن مجید خوش الحانی سے پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ علی بخش نے سکھ کو عقیدت مند سمجھتے ہوئے اقبال تک پہنچا دیا۔ کچھ دیر تک وہ ان کے ساتھ باتیں کرتا رہا۔ پھر کمرے سے نکل کر باہر آیا اور علی بخش سے کہا کہ ٹانگہ میں رکھی ہوئی بوتل اور گلاس اسے لا دے۔ علی بخش نے حکم کی تعمیل کی اور سکھ برآمدے میں کرسی کے سامنے میز لگا کر بیٹھ گیا اور بے دھڑک شراب پینے میں مصروف ہو گیا۔ بیس پچیس منٹ گزرنے پر اقبال نے علی بخش کو بلوا کر پوچھا۔ کیا سردار صاحب چلے گئے۔ علی بخش نے جواب دیا کہ نہیں، وہ تو برآمدے میں بیٹھے شراب پی رہے ہیں۔ اس پر اقبال کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ بیماری کی حالت میں بنیان اور دھوتی پہنے وہ یکدم بستر سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔

عرب قاری بھی ان کے پیچھے بھاگا۔ اقبال نے آتے ہی سکھ کو گریبان سے پکڑنے کی کوشش کی اور اسی کشمکش میں شراب کی بوتل فرش پر گر کر چکنا چور ہو گئی۔ گھر میں شور سن کر راقم بھی بھاگتا ہوا موقعہ پر پہنچا۔ سکھ انہیں انتہائی غصہ کی کیفیت میں دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا اور ٹانگہ میں سوار ہو کر رفو چکر ہو گیا۔ لیکن اقبال غصہ سے کانپ رہے تھے اور عرب قاری نے انہیں تھام رکھا تھا۔ راقم نے انہیں زندگی میں پہلی بار علی بخش کو جھڑکیاں دیتے ہوئے سنا۔ برآمدے کے سارے فرش کو سی وقت دھلوایا گیا اور اقبال نے دو تین روز تک علی بخش سے بات نہ کی بلکہ اسے انکے سامنے آنے کی اجازت نہ تھی۔ بالآخر چودھری محمد حسین کی کوششوں سے اس کی معافی تلافی ہوئی۔ (۴)

پہلی جنگ عظیم اقبال کی زندگی میں یورپ میں لڑی گئی۔ دونوں اطراف سے لاکھوں افراد مارے گئے۔ اقبال کے نزدیک یہ جنگ لٹیرا قوموں کے درمیان بپا ہوئی جس کا مقصد غاصبانہ تجارت یا کمزوروں کا استحصال تھا۔ ان کی نظر میں یورپ کا جدید انسان جو ایک خالص بیوپاری معاشرت کی پیداوار تھا روحانی مذہبی، اخلاقی اور انسانی قدروں کو پار کر کے وطنی قومیت کے حیوانی جذبہ کے تحت خودکشی کے عمل میں مصروف تھا۔ اقبال کو نئے یورپی تمدن کے اس حیوان سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اقبال نے مغرب کے انسان کو کھنگالا تھا اور اس نتیجہ پر آ پہنچا تھا۔

''پس اقبال کے اس عہد میں مغرب کا انسان ایک نیا انسان تھا جس کے ذہنی رجحانات نئے تھے۔ وہ بنیادی طور پر مغربی انسان تھا جسے سائنس کی ترقی نے رفتہ رفتہ صنعتی انسان تکنیکاتی انسان تھوک انسان یکطرفہ انسان، بے طاقت انسان، ناراض انسان، تنہا وغیرہ بنا دیا تھا۔ وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی حاکمیت تسلیم کرتا تھا جس کی وہ خود پیداوار تھا۔ انفرادی عقل اور عمل کی پھرتی پر یقین رکھتا تھا۔ لادین تھا اور

kitaabiyat.blogspot.com

اپنے معاملات کو دنیادارانہ زاویہ نگاہ سے سلجھانے کا قائل تھا متکبر خود غرض اور لااخلاق تھا اور زندگی میں صرف مادی ذرائع سے مسرت کی تحصیل کے لیے کوشاں تھا وہ ہر لحظہ متغیر حالات کا پابند تھا اور اسے اپنی تقدیر پر کوئی غلبہ حاصل نہ تھا۔ بقول اقبال وہ ایسا پست فطرت انسان تھا جس سے شیطان تک بیزار تھا۔" (۵)

اقبال فلسفہ یورپ کی تحصیل سے دلی طور پر مطمئن نہ تھے۔ انہوں نے قرآن وحدیث اور دینی علوم کو فوقیت دی۔ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

"مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ کے فلسفہ وغیرہ پڑھنے میں گنوائی۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغ بہت اچھے عطا فرمائے تھے۔ اگر یہ قوائے دینی علوم پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسولؐ کی کوئی خدمت کر سکتا اور جب مجھے یاد آتا ہے کہ والد مکرم مجھے دینی علوم ہی پڑھانا چاہتے تھے تو مجھے اور بھی قلق ہوتا ہے کہ باوجود اس کے کہ صحیح راہ معلوم بھی تھی تو بھی وقت کے حالات نے اس راہ پر چلنے نہ دیا۔ بہر حال جو کچھ خدا کے علم میں تھا ہوا اور مجھ سے بھی جو کچھ ہو سکا میں نے کیا۔ لیکن دل چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے تھا اور زندگی تمام و کمال نبی کریمؐ کی خدمت میں بسر ہونی چاہیے تھی۔" (۶)

زندہ رود جلد سوم:

چودھری محمد حسین نے اقبال کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کی یادداشت لکھنی شروع کی۔ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کوئی خاتون اقبال پر فریفتہ ہوگئیں، ان سے خط وکتابت کرنے لگیں اور انہیں لکھا کہ مجھ سے شادی کر لو۔ اقبال نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے اپنی طرف سے کسی شخص کو اقبال سے رشتہ طے کرنے کی غرض

سے بھیجا۔ جب وہ شخص آیا تو چودھری محمد حسین بھی وہیں موجود تھے۔ اس زمانہ میں چودھری محمد حسین کے سب احباب انہیں غیر شادی شدہ سمجھتے تھے، یہاں تک کہ اقبال کو بھی معلوم نہ تھا کہ وہ شادی شدہ ہیں اور صاحب اولاد ہیں۔ اقبال نے اس شخص کو بیٹھنے کے لیے کہا اور آنے کی وجہ پوچھی۔ اس وقت چودھری محمد حسین دور کھڑے الماری میں کوئی کتاب ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ شخص کہنے لگا کہ میں ڈاکٹر اقبال سے ملنا چاہتا ہوں اور مجھے بتایا جائے کہ آپ دونوں میں وہ کون سے ہیں۔ اقبال نے کہہ دیا کہ میں ڈاکٹر اقبال ہوں۔ اس پر اس شخص نے رازدارانہ لہجے میں انکشاف کیا کہ وہ ان کے رشتہ کی غرض سے فلاں کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اقبال نے معذرت کی اور کہا کہ وہ شادی شدہ ہیں اور انہیں مزید شادی کی فی الحال ضرورت نہیں۔ (۱)

شدھی اور سنگھٹن کے جواب میں مسلمانوں نے تبلیغ اور تنظیم کی مخالف تحریکیں جاری کیں۔ غلام بھیک نیرنگ انجمن تبلیغ اسلام کے معتمد تھے اور اس سلسلے میں ایک تبلیغی کانفرنس منعقد کرنا چاہتے تھے۔ اقبال نے غلام بھیک نیرنگ کی تحریک کی نہ صرف تائید کی بلکہ اس کے لیے اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے لکھا۔

"میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے۔ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظت اسلام اس مقصد کا عنصر نہیں ہے، جیسا کہ آج کل کے قوم پرستوں کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے، تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ یہ بات میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں اور سیاسیات حاضرہ کے تھوڑے سے تجربہ کے بعد ہندوستان کی سیاسیات کی روش، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، خود مذہب اسلام کے لیے ایک خطرہ عظیم ہے۔ میرے خیال میں شدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے

kitaabiyat.blogspot.com

میں کچھ وقعت نہیں رکھتا یا کم از کم یہ بھی شدھی ہی کی ایک غیر محسوس صورت ہے۔ بہر حال جس جانفشانی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے اس کا اجر حضور سرورِ کائنات ہی دے سکتے ہیں۔ میں انشاء اللہ جہاں جہاں موقع ہوگا، آپ کے ایجنٹ کے طور پر کہنے سننے کو حاضر ہوں۔" (۲)

لاہور کے ایک ہندو راجپال نے ایک کتاب لکھی جس کا نام "رنگیلا رسول" تھا۔ اس کتاب میں اس گستاخ اور لعین ہندو نے آنحضورؐ کی شانِ مبارک میں گستاخی کی تھی اس پر مقدمہ چلا۔ لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس دلیپ سنگھ نے فیصلہ راج پال کے حق میں دے دیا۔ مسلمانوں میں اس فیصلہ کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک جلسہ ۱۰ جولائی ۱۹۲۷ء کو شاہی مسجد میں منعقد ہوا۔ اقبال نے فرمایا،

"ایک مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی ابتلا نہیں ہو سکتی جو اس وقت درپیش ہے۔ راجپال کی تصنیف نے، جس کا نام لینا میں پسند نہیں کرتا، مسلمانوں کے قلب کے نازک ترین حصہ کو چوٹ لگائی ہے" (۳)

تقریباً دو سال کے بعد ایک غیرت مند جوان علم الدین نے راجپال کو قتل کر دیا جس پر اقبال کے منہ سے بے اختیار جملہ نکلا "اسیں گلاں کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا" (۴)

۹ نومبر ۱۹۲۹ء کے آخری ہفتہ اقبال علی گڑھ گئے اور وہاں مسلم یونیورسٹی میں مزید تین خطبات الٰہیات اسلامیہ کے موضوع پر دیے۔ ۲۹ نومبر ۱۹۲۹ء کو یونیورسٹی کے طلبہ کی یونین نے انہیں ایک سپاسنامہ پیش کیا اور آنریری لائف ممبر شپ دی اقبال نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا،

میں چاہتا ہوں کہ آپ ان گم گشتہ رشتوں پر نظر ڈالیں جن کے ذریعہ سے ہم ماضی و مستقبل سے وابستہ ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ علوم جدیدہ پر اصول استقرائی عائد کیا گیا ہے۔ یہ وہ نعمت ہے جو قرآن شریف نے دنیا بھر کو عطا فرمائی ہے۔ اس طریقہ استقرائی کے نتائج و ثمرات ہم کو آج نظر آ رہے ہیں۔ میں گذشتہ بیس برس سے قرآن شریف کا بغور مطالعہ کرتا ہوں۔ ہر روز تلاوت کرتا ہوں۔ مگر میں ابھی تک یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے کچھ حصوں کو سمجھ گیا ہوں۔ اگر خدا نے توفیق دی اور فرصت ہوئی تو میں ایک دن کامل تاریخ اس بات کی قلمبند کروں گا کہ دنیائے جدیدہ اس مطمحِ حیات سے کس طرح ترقی کرتی ہوئی بنی ہے جو قرآن شریف نے ظاہر کیا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ یونیورسٹی ایسے لوگوں کی ایک تعداد پیدا کرے گی جو مطالعہ قرآن میں اپنی زندگیاں صرف کر دیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے ساتھ مل کر کام کریں۔ گذشتہ چند سال سے میں صرف اپنے جسد خاکی کا مالک ہوں۔ میری روح ہمیشہ آپ کی خدمت کے لئے حاضر رہی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں وہ آپ کی خدمت کرتی رہے گی۔ (۵)

اقبال فکر مند تھے کہ مسلمانوں کی نئی نسل فکری طور پر یورپ کی طرف رواں دواں ہے اور دانش حاضر کی چمک سے متاثر ہو رہی ہے۔ ان کے خیالات حسب ذیل ہیں۔

اقبال مسلمانوں کی نئی نسل کے متعلق بہت فکر مند تھے۔ وہ محسوس کرتے تھے کہ نئی نسل فکری طور پر یورپ کی طرف کھنچی چلی جا رہی ہے اور انہیں خدشہ تھا کہ مبادا وہ یورپی نظریات کی ظاہرہ چمک سے خیرہ ہو کر صحیح راہ سے بھٹک جائے۔ اسی

kitaabiyat.blogspot.com

اندیشہ کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے سید سلیمان ندوی کو تحریر کیا،

"میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں ممالک اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے۔ ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل وکرم سے میرا دل پورا مطمئن ہے یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کرلے" (۶)

اقبال جدید فکر کی روشنی میں اسلامی علوم کے احیاء کے زبردست خواہاں تھے ان کے نزدیک اگر ایسا نہ کیا گیا تو یورپ کے معنوی استبلا کا خطرہ تھا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں سید سلیمان ندوی کو لکھا،

"میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں قدیم ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ جدید.....مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے "معنوی استیلا" کا اندیشہ ہے جس کا سدباب ضروری ہے" (۷)

۷ جنوری ۱۹۲۹ء کو اقبال نے مدراس کے گوکھلے ہال میں اپنا تیسرا مقالہ پڑھا۔ اسی دن انہیں انجمن خواتین اسلام مدراس نے اپنے اجلاس منعقدہ ٹاکراس گارڈن میں مدعو کر رکھا تھا۔ اس جلسہ کی روح رواں وہاں کے پوسٹ ماسٹر جنرل کی اہلیہ مسز عبدالسلام تھیں۔ اقبال کی خدمت میں ایک سپاس نامہ بھی پیش کیا گیا۔ عبداللہ چغتائی کے بیان کے مطابق تمام مستورات باپردہ تھیں اور اقبال پردے کے باہر بیٹھے تھے۔ اقبال نے سپاس نامہ کے جواب میں تقریر کی۔

"مسلمان عورتیں مسلمان قوم کی بہترین روایات کی حفاظت کرسکتی ہیں

بشرطیکہ وہ اصلاح کا صحیح اور عقلمندانہ رستہ اختیار کریں۔ اور ترکی یا دیگر یورپی ممالک کی عورتیں کی اندھا دھند تقلید کے درپے نہ ہو جائیں۔---------- آپ کو لفظ آزادی پر نہیں جانا چاہیے۔ آزادی کے صحیح مفہوم پر غور کرنا چاہیے۔ یورپ کی آزادی ہم خوب دیکھ چکے ہیں یورپین تہذیب باہر ہی سے دیکھی جارہی ہے۔ کبھی اندر سے دیکھی جائے تو رونگٹے کھڑے ہوں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پڑھیں اس کی تعلیم پر غور کریں۔" (۸)

۹ ستمبر ۱۹۳۱ء کو صبح ساڑھے سات بجے اقبال لندن میں منعقد ہونے والی دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کی غرض سے دہلی پہنچے۔ اقبال کو متعدد سپاس نامے پیش کیے گئے مگر انہوں نے تمام سپاسناموں کو سننے سے معذوری کا اظہار فرمایا۔ صرف مولانا سید احمد امام جامع دہلی نے صوبہ مسلم کانفرنس کی طرف سپاسنامہ پڑھ کر سنایا۔

اقبال نے سپاسنامہ کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا،

"میں نوجوانوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کو پیش نظر رکھیں اور اگر ان کو زندہ رہنا ہے تو وہ ان قربانیوں کے لیے تیار رہیں جو ہمیشہ سے زیادہ ان کو آئندہ دینی ہوں گی (نعرہ اللہ اکبر)" (۹)

۱۸ نومبر ۱۹۳۱ء کو اقبال ایک دن کے لیے کیمبرج گئے۔ غلام رسول مہر اور مولانا شفیع داؤدی ان کے ساتھ تھے۔ اسٹیشن پر چوہدری رحمت علی، خواجہ عبدالرحیم اور دیگر اصحاب نے استقبال کیا۔ یونیورسٹی آمرز ہوٹل میں دعوت چائے کا بندوبست تھا جس میں پروفیسر نکلسن اور پروفیسر لیوی سمیت کئی اساتذہ موجود تھے۔ مجمع سے پروفیسر سارلے، پروفیسر نکلسن اور پروفیسر لیوی نے خطاب کیا۔ آخر میں اقبال نے

kitaabiyat.blogspot.com

تقریر کی اور اپنے میزبانوں کا شکریہ ادا کیا۔

''کیمبرج وہ سرچشمہ علم و فضل ہے جس نے یورپی تہذیب و تمدن کی ترکیب میں سب سے زیادہ حصہ لیا ہے۔ میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ دہریت اور مادیت سے بچیں۔ اہل یورپ کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے مذہب و حکومت کو علیحدہ علیحدہ کر دیا اور اس سے ان کی تہذیب روح اخلاق سے محروم ہو گئی اور اس کا رخ دہریانہ مادیت کی طرف پھر گیا۔ میرا عقیدہ ہے کہ انسانی انا کائنات کا مرکز ہے۔ یہ اولین نقطہ نظر ہے۔ فلسفی کثرت سے وحدت کی طرف آئے۔ صحیح راستہ یہ ہے کہ وحدت سے کثرت کی طرف جائیں۔ میں نے آج سے پچیس برس پیشتر اس تہذیب کی خرابیاں دیکھی تھیں تو اس کے انجام کے متعلق بعض پیشین گوئیاں کی تھیں۔ اگر چہ میں خود بھی ان کا مطلب نہیں سمجھتا تھا۔ یہ ۱۹۰۷ء کی بات ہے۔ اس سے چھ سال بعد بھی ۱۹۱۴ء میں میری پیشین گوئیاں حرف بحرف پوری ہو گئیں۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ یورپ دراصل اہل یورپ کی اس غلطی کا نتیجہ تھی۔ جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ یعنی مذہب و حکومت کی علیحدگی اور دہریانہ مادیت کا ظہور۔ بالشوازم مذہب و حکومت کی علیحدگی کا طبعی نتیجہ ہے۔ میں نوجوانوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ مادیت سے بچیں۔ چند روز قبل انگریز خواتین کے ایک بہت بڑے مجمع میں مجھ سے کہا گیا کہ میں عورتوں کو کوئی نصیحت کروں۔ میں نے انہیں کہا تھا کہ انگریز خواتین کا سب سے پہلا اور سب سے زیادہ اہم فرض یہ ہے کہ وہ آئندہ نسل کو دہریانہ مادیت کے چنگل سے بچائیں۔ مذہب بے حد ضروری چیز ہے۔ مذہب عرفان و ایقان کا نام ہے۔'' (۱۰)

۱۴ دسمبر ۱۹۳۱ء کو اقبال نے موتمر اسلامی کے مندوبین سے الوداعی خطاب کیا۔

''اسلام کو اس وقت دو طرف سے خطرہ ہے۔ ایک الحاد مادی کی طرف سے اور دوسرا وطنی قومیت کی طرف سے۔ ہمارا فرض ہے کہ ان دونوں خطروں کا مقابلہ کریں اور میرا یقین ہے کہ اسلام کی روح ان دونوں خطروں کو شکست دے سکتی ہے۔ وطنی قومیت یا وطنیت بجائے خود بری چیز نہیں۔ لیکن اگر اس میں خاص اعتدال ملحوظ نہ رکھا جائے اور افراط و تفریط ہو جائے تو اس میں بھی دہریت اور مادہ پرستی کے پیدا ہونے کے امکانات موجود ہیں۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ دل سے مسلمان بنیں۔ مجھے اسلام کے دشمنوں سے اندیشہ نہیں، لیکن خود مسلمانوں سے اندیشہ ہے۔ آنحضرت ﷺ کی ایک نہایت پیاری حدیث یاد آئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ''انا حظکم من الانبیاء و انتم حظی من الامم میں تو جب کبھی سوچتا ہوں شرم و ندامت سے میری گردن جھک جاتی ہے کہ کیا ہم مسلمان آج اس قابل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم پر فخر کریں۔ ہاں جب ہم اس نور کو اپنے دلوں میں زندہ کر لیں گے جو رسول اللہ ﷺ نے ہم میں داخل کیا تھا تو اس وقت اس قابل ہو سکیں گے کہ حضور ہم پر فخر کریں۔'' (۱۱)

۲۱ مارچ ۱۹۳۲ء کو مسلم کانفرنس کے افتتاحی اجلاس منعقدہ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں اپنا معروف خطبہ صدارت پڑھا۔

''ہمارا واضح نصب العین یہ ہے کہ آنے والے دستور میں اسلام کے لئے ایسا مقام اور ایسی حیثیت حاصل کریں کہ وہ اس ملک میں اپنی تقدیر کے منشا کو پورا کرنے کے مواقع پا سکے۔ اس نصب العین کی روشنی میں لازم ہے کہ قوم کی ترقی پسند طاقتوں کو بیدار کیا جائے اور اس کی خوابیدہ قوتوں کو منظم کیا جائے۔ شعلہ حیات دوسروں سے مستعار نہیں لیا جا سکتا، وہ صرف اپنی روح کے آتش کدہ ہی میں روشن کیا

kitaabiyat.blogspot.com

جا سکتا ہے۔" (۱۲)

اقبال ۱۷ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو یورپ روانہ ہوئے صرف احباب اور عزیز و اقارب ہی لاہور اسٹیشن پر الوداع کہنے کے لئے آئے آپ نے ارشاد فرمایا،

"میں سمجھتا ہوں کہ میں اس سے بہتر اور کچھ نہیں کہ سکتا کہ مسلمانوں کو قرآن کریم کے بیان کردہ اصول عمل یاد دلاؤں جب تو نے ایک طریق عمل اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو فی الفور عمل شروع کر دے اور اللہ پر بھروسہ رکھ۔" (۱۳)

یکم مارچ ۱۹۳۳ء کو اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے اقبال کے اعزاز میں ٹاؤن ہال لاہور کے باہر باغ میں دعوت دی گئی اقبال نے فرمایا،

"میں نے اپنی زندگی کے گذشتہ پینتیس سال اسلام اور موجودہ تہذیب و تمدن کی تطبیق کی تدابیر کے غور وفکر میں بسر کر دیئے ہیں اور اس عرصہ میں یہی میری زندگی کا مقصد وحید رہا ہے...... میری رائے میں اس مسئلہ کو یوں پیش کرنا چاہیے کہ موجودہ تمدن کو کس طرح اسلام کے قریب لایا جائے۔" (۱۴)

فرمودات اقبال - مکاتیب کی روشنی میں

(i) مکاتیب اقبال مرتبہ شیخ عطاالله

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھارت

حضرت علامہ اقبال نے اپنی زندگی میں مختلف لوگوں کو بے شمار خطوط لکھے۔ ان میں عظیم دینی عالم، پروفیسر، فلاسفر، انگریز سکالر، شاعر، ادیب اور دوست شامل تھے۔ زیادہ تر خطوط مسائل حیات، دینی مسائل وافکار، شعر وادب اور اصلاح ادب سے متعلق تھے۔ خطوط کا کافی حصہ ان کی ذاتی بیماری اور علاج ومعالجہ سے بھی متعلق ہے۔ علاوہ ازیں نجی خطوط بھی لکھے گئے۔ ان خطوط کے سرسری مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ کہ اقبال عالم، فاضل، دانشور، محقق اور اسلامی فکر رکھنے والے احباب سے اسلام کی اشاعت، دین وتمدن، احیائے اسلام اور جدید علوم کی تحصیل کے بارے بھی اظہار خیال کرتا ہے۔ روشن خیالی تجدد پسندی اور سیکولر خیالات کے حامی دانشور اقبال کو کتنا ہی انقلابی اور آئین نو کا حامل سمجھ لیں اسے مغربی طرز فکر اور پدر ومادر آزاد ثقافت کا علم بردار نہیں گردانا جا سکتا۔ اقبال مغربی علوم وفنون کی تحصیل کا دلدادہ ہے

kitaabiyat.blogspot.com

مگر تہذیبِ یورپ کے حصول سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔ وہ مغربی افکار وعلوم کو تمدن اسلامی میں مدغم کرنا چاہتا ہے۔ مگر اسلام کو مغرب زدہ کرنے سے گریزاں ہے۔

میں نے مکاتیب اقبال مرتبہ شیخ عطاء اللہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ (بھارت) اور کلیات مکاتیب اقبال (چہارم جلد) مرتبہ سید مظفر حسین برنی اردو اکادمی دہلی کا مطالعہ کیا ہے۔ ان خطوط کو چنا ہے یا خطوط کی ان سطور کو منتخب کیا ہے جس میں اقبال نے اسلام سے اپنی گہری وابستگی کا اظہار کیا ہے۔ احیائے اسلام کے بارے میں اقبال کی دلی دھڑکنوں کو خطوط کے الفاظ میں محسوس کیا ہے۔ ان چند خطوط سے واضح ہو جاتا ہے کہ اقبال کا دل مومن ہے وہ ہر آن ہر لمحہ اور ہر پل اسلام کا مبلغ ہے۔ اور بغیر کسی خوف کے طاغوتی طاقتوں کے ایوانوں کے سامنے نعرہ تکبیر لگاتا ہے۔ اسلام مخالف قوتوں سے ٹکراتا ہے۔ ضرب قلندری اس کا وطیرہ ہے۔ وہ لادینی مغربی نظریات وافکار کا پوسٹ مارٹم کر کے اس کی اصلیت کو واشگاف کرتا ہے۔ مختلف خطوط میں بیان کی گئیں اسلامی افکار واذکار کی تراکیب حسب ذیل ہیں۔

احساس ملی، قرآن بطور منشور حیات، احیائے اسلام، فکر اسلامی، حقیقی اسلام کی اشاعت، دینی تعلیم کا احیاء، مغرب کے افکار جدید کے اسلامی مرکز کا قیام اور تفکر اسلامی کی تجدید کے ذریعہ تمدن اسلامی کا احیاء۔ اسلامی ریسرچ اسلام کی دینی اور سیاسی تاریخ تصوف، فقہ اور تفسیر کا مطالعہ کرنے پر زور، ملی تمدن کا تحفظ، اسلام کی حفاظت کریں، قومی فنڈ کا قیام برائے اشاعت مقاصد اسلامی، میری زندگی کا مقصد حفاظت دین وثقافت، ہمہ وقت دعا اور درود، زندگی تمام وکمال نبیؐ کی خدمت بسر ہونی چاہیے تھی۔ زیارت مکہ ومدینہ کا جنون، روح کی پکار۔ مزار اقدس پر حاضری، مسلم

فلسفیانہ لٹریچر کا سراغ لگانا، مسلم دنیا کا فکر انحطاط۔ وجوہات واسباب، جدید علوم کی تحصیل اور جدید مسائل کی معنویت کی تفہیم۔

اقبال اسلام کا شیدائی اور مبلغ ہے۔ وہ جو کچھ بھی ہے۔ اسلام کے اندر ہے باہر نہیں۔ وہ کمال جرات اور ایقان عاشقی سے یورپ کے لادینی فلسفوں کو رد کر کے پھینک دیتا ہے۔ وہ توحید ورسالت کا شاعر ہے۔ جلال وجمال حیات کا پیغام بر ہے۔ مغرب کے کسی الحادی فلاسفر کا منطق، کسی شاعر کا سیکولر لہجہ، کسی منکر خدا کا ادبیانہ استدلال اور کسی مادی ترقی پسندی مبلغ کا پیغام اقبال کے یقین کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ متعلقہ مکاتیب اقبال کے چند خطوط کی جھلکیاں حسب ذیل ہیں۔

ہم کتاب کے کیڑے ہیں۔ اور مغربی دماغوں کے خیالات ہماری خوراک ہیں۔ کاش خلیج بنگال کی موجیں غرق کر ڈالیں۔ (۱)

ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام اور اس کے نصب العین اور غرض وغایت سے آشنائی نہیں۔ ان کے لٹریری آئیڈیل بھی ایرانی ہیں اور سوشل نصب العین بھی ایرانی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مثنوی اسرار خودی میں حقیقی اسلام کو بے نقاب کروں جس کی اشاعت رسول اللہ ﷺ کے منہ سے ہوئی۔ (۲)

حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ افسوس ہے مسلمان مردہ ہیں انحطاط ملی نے ان کے تمام قویٰ کو شل کر دیا ہے۔ اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے صید پر ایسا اثر ڈالتا ہے جس سے انحطاط کا مسحور اپنے قاتل کو اپنا مربی تصور کرنے لگ جاتا ہے بھی

kitaabiyat.blogspot.com

حال اس وقت مسلمانوں کا ہے مگر ہمیں اپنے ادائے فرض سے کام ہے۔ ملامت کا خوف رکھنا ہمارے مذہب میں حرام ہے۔(۳)

ہم نے ارادہ کیا ہے کہ پنجاب کے ایک گاؤں میں ایک ایسا ادارہ قائم کریں جس کی نظیر آج تک یہاں وقوع میں نہیں آئی۔ ہماری خواہش ہے کہ اس ادارہ کو وہ شان حاصل ہو جو دوسرے دینی اور اسلامی اداروں کی شان سے بہت بڑھ چڑھ کر ہو۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ علوم جدیدہ کے چند فارغ التحصیل حضرات اور چند علوم دینیہ کے ماہرین کو یہاں جمع کریں۔ یہ ایسے حضرات ہوں جن میں اعلیٰ درجہ کی ذہنی صلاحیتیں موجود ہوں اور وہ اپنی زندگیاں دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ہم ان کے لیے تہذیب حاضرہ کے شور وشغب سے دور ایک کونے میں ہوسٹل بنانا چاہتے ہیں جو کہ ان کے لیے ایک علمی اسلامی مرکز ہو۔ اور ہم ان کے لیے لائبریری قائم کرنا چاہتے ہیں۔ جس میں ہر قسم کی نئی اور پرانی کتاب موجود ہو اور ان کی رہنمائی کے لیے ہم ایک ایسا معلم جو کامل اور صالح ہو اور قرآن حکیم میں بصارت تامہ رکھتا ہو اور نیز انقلاب دور حاضر سے بھی واقف ہو، مقرر کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی روح سے واقف کرے اور تفکر اسلامی کی تجدید یعنی فلسفہ، حکمت، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم میں ان کی مدد کرے تا کہ وہ اپنے علم اور تحریروں کے ذریعے تمدن اسلامی کے دوبارہ زندہ کرنے میں جہاد کرسکیں۔(۴)

مذہبی مسائل بالخصوص اسلامی مذہبی مسائل کے فہم کے لیے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے جہاں تک

مسلمانوں کا تعلق ہے تعلیم کا تمام تر غیر دینی ہو جانا اس مصیبت کا باعث ہوا ہے۔(۵)

آپ کا اولین فرض ہے کہ آپکو اسلام' اس کی مذہبی اور سیاسی تاریخ' اس کے کلچر اور اس بحران کا مطالعہ کرنا چاہیے جو ترکی اور دوسرے اسلامی ممالک میں مغرب کے افکار جدید کے اسلامی زندگی اور افکار پر اثر نے پیدا کر دیا ہے۔ آپ عیسائیوں کی تبلیغی طرز سے زیادہ اسلام پر کتابیں لکھ کر اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں۔(۶)

میں سوچتا ہوں کہ ایک تھوڑی سے پنشن میرے لئے کافی ہوگی۔ مہربانی کر کے یہ نہ سوچیں کہ مجھے جینے کے لیے ہزاروں کی ضرورت ہے۔ چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں۔ تمنا ہے کہ مرنے سے پہلے قرآن کریم سے متعلق اپنے افکار قلم بند کر جاؤں۔ جو تھوڑی سے ہمت و طاقت ابھی مجھ میں ہے۔ اسے اسی خدمت کے لیے وقف کر دینا چاہتا ہوں تا کہ (قیامت کے دن) آپ کے جد امجد (حضور نبی کریمؐ) کی زیارت مجھے اس اطمینان خاطر کے ساتھ میسر ہو کہ اس عظیم الشان دین کی جو حضورؐ نے ہم تک پہنچایا کوئی خدمت بجالا سکا۔(۷)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ: جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس' جرمنی' انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاق حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں آپکے بلند مقاصد پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لیے یورپ جانا بے سود ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

kitaabiyat.blogspot.com

مصر جائیے' عربی زبان میں مہارت پیدا کیجیے۔ اسلامی علوم' اسلام کی دینی اور سیاسی تاریخ' تصوف' فقہ' تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی ﷺ کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کیجیے۔ پھر اگر ذہن خداداد ہے اور دل میں خدمت اسلام کی تڑپ ہے تو آپ اس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں گے جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔ ہاں یورپ کا فلسفہ پڑھنے کے لیے آپ یورپ کا سفر کر سکتے ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں کو موجودہ حالات میں فلسفہ اور لٹریچر کی چنداں ضرورت نہیں۔ اس صورت میں بھی Thesis کے ذریعہ ڈگری حاصل کرنا فضول ہے۔ یورپ کے فلسفہ کی مختلف شاخوں کا مطالعہ کر کے ڈگری حاصل کرنا چاہیے۔ میں علیل ہوں اور خط و کتابت کرنے سے قاصر ہوں۔ یہ خط بھی ایک دوست کے ہاتھ سے لکھوایا ہے۔ والسلام۔ (۸)

مغربی اور وسطی ایشیا کی مسلمان قومیں اگر متحد ہو گئیں تو بچ جائیں گی اور اگر ان کے اختلافات کے تصفیہ نہ ہو سکا۔ تو اللہ حافظ ہے۔ (۹)

مضامین اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ میرا مذہبی عقیدہ یہی ہے کہ اتحاد ہو گا اور دنیا پھر ایک دفعہ جلال اسلامی کا نظارہ دیکھے گی۔ (۱۰)

اسلام پر ایک بہت بڑا نازک وقت ہندوستان میں آ رہا ہے۔ سیاسی حقوق و ملی تمدن کا تحفظ تو ایک طرف خود اسلام کی ہستی معرض خطر میں ہے۔ میں ایک مدت سے اس مسئلہ پر غور کر رہا تھا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے لیے مقدم ہے کہ ایک بہت بڑا نیشنل فنڈ قائم کریں جو ایک ٹرسٹ کی صورت میں ہو اور اس کا روپیہ مسلمانوں کے تمدن اور ان کے سیاسی حقوق کی حفاظت اور ان کی دینی اشاعت وغیرہ پر خرچ کیا جائے۔ اسی طرح ان کے اخباروں کی حالت درست کی جائے اور وہ تمام

وسائل اختیار کیے جائیں جو زمانہ حال میں اقوام کی حفاظت کے لیے ضروری ہیں۔ مفصل سکیم پھر عرض کر دی جائے گی' فی الحال یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قدیم سجادوں کے نوجوان مالک جمع ہو کر مشورہ کریں کہ کس طرح اس درخت کی حفاظت کی جا سکتی ہے جو ان کے بزرگوں کی کوششوں سے پھلا پھولا تھا۔ اب جو کچھ ہو گا نوجوان علماء و نوجوان صوفیہ ہی سے ہو گا جن کے دلوں میں خدا نے احساس حفاظت ملی کا پیدا کر دیا ہے۔ (۱۰)

فی الحال تجویز یہ کہ ایک قومی فنڈ قائم کیا جائے کہ بغیر اس کے اسلام کے سیاسی و دینی مقاصد کی تکمیل و اشاعت ناممکن ہے۔ مسلمان اخباروں کو قوی کیا جائے۔ نئے اخبار اور نیوز ایجنسیاں قائم کی جائیں۔ مسلمانوں کو مختلف مقامات میں دینی اور سیاسی اعتبار سے منظم کیا جائے۔ قومی عساکر بنائے جائیں اور تمام وسائل سے اسلام کی منتشر قوتوں کو جمع کر کے اس کے مستقبل کو محفوظ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کو ابھی تک اس کا احساس نہیں کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے' اس ملک ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے اور اگر وقت پر موجودہ حالت کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل اس ملک میں کیا ہو جائے گا۔ ہم تو اپنا زمانہ حقیقت میں ختم کر چکے' آئندہ نسلوں کی فکر کرنا ہمارا فرض ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی زندگی گونڈ اور بھیل اقوام کی طرح ہو جائے اور رفتہ رفتہ ان کا دین اور کلچر اس ملک سے فنا ہو جائے۔ اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لیے مجھے اپنے کام چھوڑنے پڑیں تو انشاء اللہ چھوڑ دوں گا اور اپنی زندگی کے باقی ایام اسی ایک مقصد جلیل کے لیے وقف کر دوں گا۔ (۱۱)

kitaabiyat.blogspot.com

حوالہ جات مکاتیب اقبال مرتبہ شیخ عطا اللہ

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھارت

(۱) مولوی انشاء اللہ خان ایڈیٹر وطن کے نام مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۶۲

(۲) منشی سراج الدین کے نام تیسرا خط ۴-۱ اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۸۲

(۳) سراج الدین پال کے نام پہلا خط ۱۰ جولائی ۱۹۱۲ء صفحہ ۸۹-۸۸

(۴) حضرت علامہ مصطفیٰ المراغی شیخ جامعہ ازہر کے نام تاریخ درج نہیں کی گئی۔
یہ ایک خط کا اقتباس ہے۔ اصل خط عربی میں لکھا گیا۔

(۵) نیاز احمد کے نام (پہلا خط) جو الہ آباد یونیورسٹی میں ایم اے کے طالب علم تھے۔ ۱۱ فروری ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۲۸

(۶) ایضاً دوسرا خط ۲۰ نومبر ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۲۹

(۷) سر سید راس مسعود کے نام (آٹھواں خط) ۳۰ مئی ۱۹۳۵ء صفحہ ۲۷۳

(۸) حافظ محمد فضل الرحمن انصاری کے نام ۱۶ جولائی ۱۹۳۷ء صفحہ ۹۷-۲۹۶

(۹) پروفیسر محمد اکبر منیر کے نام۔ صفحہ ۴۵۷

۱۰) منشی محمد صالح صاحب کے نام ۱۸ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۵-۶۲۴

(۱۱) ایضاً ۲۲ اپریل ۱۹۳۱ء صفحہ ۲۷-۶۲۶

(ii) مکاتیب اقبال مرتبہ سید مظفر حسین برنی

اردو اکادمی دہلی بھارت

جلد اول

میرا مقصد کچھ شاعری نہیں۔ بلکہ غایت یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں وہ احساس ملیہ پیدا ہو۔ جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا خاصہ تھا۔ اس قسم کے اشعار لکھنے سے غرض عبادت ہے نہ شہرت۔ کیا عجب کہ نبی کریمؐ کو میری یہ کوشش پسند آجائے اور ان کا استحسان میرے لیے ذریعہ نجات ہو جائے۔ (۱)

جلد دوم

ہمشیرہ عزیزہ السلام علیکم،

تمہارا خط مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ گھر میں سب طرح خیریت ہے۔ اس وقت واقعی وہی حالت دنیائے اسلام کی ہے جو تم کو خواب میں دکھائی گئی اور والد مکرم نے جو نتیجہ نکالا وہ بھی خدا کے فضل و کرم سے صحیح ہے اور میرا عقیدہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نئی زندگی عطا فرمائے گا اور جس قوم نے آج تک اس کے دین کی حفاظت کی ہے اس کو ذلیل اور رسوا نہ کرے گا۔ مسلمان کی بہترین تلوار دعا ہے سو اسی سے کام لینا چاہیے۔ ہر وقت دعا کرنا چاہیے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اس امت کی دعا سن لے اور اس کی غریبی پر رحم فرمائے۔ میں جو اپنی گزشتہ

kitaabiyat.blogspot.com

زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ وغیرہ پڑھنے میں گنوائی۔ خدا تعالیٰ نے مجھے قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے اگر یہ قوے دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسولؐ کی میں کوئی خدمت کر سکتا اور جب مجھے خیال آتا ہے کہ والد مکرم مجھے دینی علوم پڑھانا چاہتے تھے تو مجھے اور بھی قلق ہوتا ہے باوجود اس کے کہ صحیح راہ معلوم بھی تھی تو بھی وقت کے حالات نے اس راہ پر چلنے نہ دیا۔ بہرحال جو کچھ خدا کے علم میں تھا ہوا اور مجھ سے بھی جو کچھ ہو سکا میں نے کیا۔ لیکن دل چاہتا ہے کہ جو کچھ ہوا اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے تھا اور زندگی تمام و کمال نبی کریم کی خدمت میں بسر ہونی چاہیے۔

روحانی کیفیات کا سب سے بڑا ممد و معاون یہی کھانے پینے کی چیزوں میں احتیاط ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ساری زندگی اس بات کا ثبوت ہے۔ میں خود اپنی زندگی کم از کم کھانے پینے کے متعلق اسی طریق پر ڈھال رہا ہوں۔ (۱)

قبلہ و کعبہ ام السلام علیکم

اعجاز کی زبانی آپ کا پیغام پہنچا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت اداس رہتی ہے۔ کئی سال ہوئے میں نے ایک کتاب یوپ میں خریدی تھی مگر آج تک اس کے پڑھنے کی نوبت نہ آئی تھی۔ ان تعطیلوں میں اسے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اس کا آغاز اور اختتام یہ فقرہ ہے۔ میری کوئی چیز نہیں اور میرے لیے تمام اشیاء کا وجود عدم برابر ہے یہ ساری کتاب اسی جملے کی تشریح ہے اور حقیقت میں بہت خوب ہے۔ حقیقی شخصیت یہ ہے کہ انسان اپنی اصلی حقیقت کا خیال کر کے تمام تعلقات سے آزاد ہو جائے یعنی بالاتر ہو جائے۔ نبی کریمؐ کی زندگی میں بھی اس کی مثال ملتی ہے۔ ان سے زیادہ اپنے عزیزوں سے محبت کرنے والا بلکہ ساری دنیا کو اپنا عزیز جاننے والا اور کون ہوگا۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا تھا۔ جب آپ کو نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ عائشہؓ کون ہے

اور ابوبکرؓ کون ہے نہ یہ کہ محمدؐ کون ہے۔ ہمارے صوفیا نے اس کو فنا سے تعبیر کیا ہے لیکن سچ بات یہ ہے کہ یہ شخصیت یا خودی کا کمال ہے اسے فنا نہیں کہنا چاہیے اور انسانی حیات کی یہی کیفیت حیات مابعد الموت کی تیاری ہے۔ لیکن آپ اس نکتے کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔ ہمارے عزیزوں میں آپس میں جب بگاڑ ہو جاتا ہے تو ہم جو ان کی صلح و آشتی میں خوش ہوتے ہیں ان کا بگاڑ دیکھ کر رنجیدہ اور پریشان ہوتے ہیں جب اسی قسم کا بگاڑ اور لوگوں میں ہو جو عام معنوں میں ہمارے عزیز یا رشتہ دار نہیں ہیں تو ہم کو کوئی رنج نہیں ہوتا اور کوئی پریشانی لاحق نہیں ہوتی۔ جو آدمی انسانی زندگی کی حقیقت سے آگاہ ہے اسے معلوم ہے کہ تمام بنی نوع انسان آپس میں عزیز و رشتہ دار ہیں کیونکہ حیات انسانی کی جڑ ایک ہے پھر کیا وجہ ہے کہ چند آدمیوں کے بگاڑ سے جن کو ہم خاص طور پر اپنا رشتہ دار کہتے ہیں ہم کو رنج ہوتا ہے اور باقی لوگوں کے بگاڑ سے ہم پر کچھ اثر نہیں ہوتا حالانکہ عزیز تو حقیقت میں وہ بھی ہیں؟ انسان اس فطری میلان سے مجبور ہے کہ جو آدمی خون کے اعتبار سے ہمارے قریب تر ہیں ان کو اپنا رشتہ دار کہتا ہے اور جو دور ہیں ان سے بے تعلق ہو جاتا ہے حالانکہ خون اور زندگی میں قرب اور بعد نزدیکی اور دوری کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلقات کی وجہ سے جو پریشانی ہم کو لاحق ہوتی ہے اس کی بنا اصل میں ناانصافی پر ہے۔ ناانصافی یہ کہ بعض افراد کو قرب خونی کی وجہ سے قریب جاننا اور بعض کو بعد خونی کی وجہ سے بعید جاننا۔ حالانکہ زندگی کی حقیقت قرب و بعد سے معرا ہے۔ کامل انسان تمام عالم کے لئے رحمت ہے۔ بالفاظ دیگر یوں کہیے کہ کامل انسان تعلقات سے بالاتر ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ بھی خیریت سے ہوں گے۔ بھائی صاحب کی خدمت میں آداب۔ (۲)

''اسرار خودی'' کا ترجمہ انگریزی میں ہو گیا ہے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا

kitaabiyat.blogspot.com

کہ جب یہ کتاب ہندوستان میں شائع ہوئی تو یہاں کے صوفیا نے اس پر اعتراض کیا کہ کتاب کا مصنف مسلمانوں کو مغربی خیالات سکھاتا ہے اور ان کو فرنگیت کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے مغرب والے مترجم نے دیباچے میں یہ لکھا ہے کہ یہ کتاب ایک زبردست آواز ہے۔ جو مسلمانوں کو خدا اور قرآن کی طرف بلاتی ہے اور اس آواز میں صداقت کی آنک ایسی ہے کہ ہم اس کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (۳)

ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان جو یورپ کی پولیٹیکل اکانومی پڑھ کر مغربی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ اس زمانے میں قرآن پاک کی اقتصادی تعلیم پر نظر غائر ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔ (۴)

بحیثیت مجموعی یورپ نے اپنے باشندوں کی تعلیم و تربیت میں سے مذہب کا عنصر حذف کر دیا ہے۔ اور کوئی حشر ہو گا شاید ایک نئی جنگ کی صورت میں وہ اپنی ہلاکت کا باعث خود ہو۔ (۵)

جلد سوم:

اس وقت بنی نوع انسان کی سب سے بڑی خدمت ہی احیائے اسلام ہے اس لیے کہ اسلامی کی نعمت سے خود مسلمان محروم ہیں۔ جدید دنیا کے حالات مقتضیات خود بخود اسلام کی حقیقی اساس کو نمایاں تر کرتے چلے جائیں گے۔ اسلام کی خدمت خود فطرت کا کارنامہ ہوگی نہ مسلمان کا۔ (۱)

درحقیقت ایک معاشی نظام کی حیثیت سے اسلام کہیں زیادہ دلچسپ ہے اور ہماری موجود مشکلات سے کہیں زیادہ عملی حل تجویز کرتا ہے (لارڈ لوتھین کے نام) (۲)

جلد چہارم:

تنہا خواہش جو ہنوز میرے جی میں خلش پیدا کرتی ہے۔ یہ رہ گئی ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو حج کے لیے مکہ جاؤں اور وہاں سے اس ہستی کے مزار پر حاضری دوں جس کا ذات الٰہی سے بے پایاں شغف میرے لیے وجہ تسکین اور سرچشمہ الہام رہا ہے۔ میری جذباتی زندگی کا سانچہ کچھ ایسا واقعہ ہوا ہے کہ انفرادی شعور کی ابدیت پر مضبوط یقین رکھے بغیر ایک لحہ بھی زندہ رہنا میرے لیے ممکن نہیں ہو سکا۔ یہ یقین مجھے پیغمبر اسلام کی ذات گرامی سے حاصل ہوا ہے میرا ہر بن مو آپ کی احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہے اور میری روح ایک بھرپور اظہار کی طالب ہے جو صرف آپؐ کے مزار اقدس پر ہی ممکن ہے۔ اگر خدا نے مجھے توفیق بخشی تو میرا حج اظہار تشکر کی ایک شکل ہوگی۔ (۱)

"گزشتہ تین برسوں کے دوران میں مسلم دنیا فکری سطح پر انتہائی غیر فعال رہی ہے۔ اس کی بیشتر اسباب سیاسی ہیں۔ آج ہمیں احیائے نو کی جو علامت دکھائی دے رہی ہیں۔ ان کے پیش نظر امید ہے کہ جس نوع کی تحقیقات آپ کو مطلوب ہیں' ان کے شایان شان علمی صلاحیتوں کا بتدریج ظہور ہو گا۔ ہندوستان میں حالات قدرے مختلف ہیں۔ عربی کا علم بتدریج ختم ہو رہا ہے اور مسلم تعلیمی ادارے اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ سنسکرت میں فلسفیانہ لٹریچر اس قدر منتشر نہیں جتنا عربی میں بکھرا ہوا ہے اور ہندو قوم اپنی دولت کے بل بوتے پر' فلسفیانہ مطالعے کی عیاشی کی متحمل ہو سکتی ہے۔" ذاتی طور پر میری خواہش ہے کہ ہمارے نوجوان عالم خود کو مسلم ریاضی' طبیعات' کیمیا' تاریخ اور فقہ کے مطالعے کے لیے وقف کر دیں۔ علم کی متذکرہ بالا شاخوں کا مطالعہ ہی آج کی اشد ضرورت ہے اور اسلام کا بہترین مفاد بھی اسی میں مضمر ہے۔ محض اسی صورت میں آج کا مسلمان جدید علم کی بنیادوں سے آشنا ہو سکے گا اور ہم انہیں جدید مسائل کی معنویت کو سمجھنے کے قابل بنا سکیں گے۔ (۲)

kitaabiyat.blogspot.com

حوالہ جات مکاتیب اقبال (چہار جلد)

مرتبہ سید مظفر حسین برنی اردو اکادمی دہلی بھارت

جلد اول:

(1) بنام مولانا گرامی لاہور ۳ ستمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۶۵۷

جلد دوم:

(1) کریم بی بی (اقبال کی بہن) کے نام ۸ ستمبر ۱۹۱۹ء صفحہ ۵۸۔۱۵۷

(۲) شیخ نور محمد (اقبال کے والد) کے نام ۳ جون ۱۹۲۰ء صفحہ ۸۲۔۱۸۱

(۳) ایضاً ۳ جنوری ۱۹۲۱ء صفحہ ۲۴۔۳۲۳

(۴) ایڈیٹر زمیندار کے نام تاریخ نہیں دی غالباً جون ۱۹۲۳ء کے لگ بھگ صفحہ ۴۵۳

(۵) خالد خلیل کے نام صفحہ ۵۷۳ تاریخ نہیں دی۔

جلد سوم:

(۱) راغب احسن کے نام ۴۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۹۹

(۲) لارڈ لوتھین کے نام ۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء صفحہ ۳۲۸

جلد چہارم:

(۱) سید اکبر حیدری کے نام ۱۳ جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۹۴۔۴۹۳

(۲) فضل کریم (غالباً ایبٹ آباد کے رہنے والے تھے۔ ایل۔ ایل۔ بی علی گڑھ سے کیا تھا۔ پریکٹس کرتے تھے' خط پر تاریخ درج نہیں غالباً خط جولائی یا اگست ۱۹۳۷ میں لکھا گیا صفحہ ۷۲۔۵۷۱

اقبال کے حضور۔ از سید نذیر نیازی

سے چند اقتسابات

(اقبالؒ کے ارشادات عالیہ)

اطمینان قلب بڑی نعمت ہے اور یہی نعمت ہے جو یورپ نے اپنی مادیت پرستی میں کھودی ہے۔(۱)

پھر فرمایا ''انسان جب کسی تہذیب سے متاثر ہوتا ہے تو اس کی اچھی بری سب باتیں اختیار کر لیتا ہے۔ مغربی تہذیب کی نقالی اور اس کے ظاہری اور سطحی پہلوؤں کی دل کشی بجائے خود ایک مصیبت تھی، مغربی تعلیم نے ہمارے لیے اور بھی فتنے پیدا کر دیئے''۔(۲)

عالم اسلام کے حالات بدل رہے ہیں۔ یوں بھی مسلمانوں میں اعلیٰ صلاحیتوں کی کمی نہیں۔ اسلام سے بھی ان کا رشتہ بہر حال قائم ہے۔ ان کی اصل ضرورت ہے قیادت۔ صحیح قیادت میسر آ جائے تو وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے''(۳)

زبان بھی اتحاد کا کتنا بڑا ذریعہ ہے۔ افسوس ہے یورپ کے استیلا نے اس

kitaabiyat.blogspot.com

رشتے کا بھی خاتمہ کر دیا۔ کتنے مسلمان ہیں جو عربی جانتے ہیں اور اپنا مافی الضمیر اس میں ادا کر سکتے ہیں۔ حالانکہ عربی ہماری بین الاقوامی زبان ہے۔ ہمارے دینی، ثقافتی اور ادبی رابطے کا ایک عظیم سرچشمہ'' (۴)

''۔۔۔قرآن سرتا سر ہدایت ہے اور ہر حال میں ہمارا رہنما۔ یہ کتاب اللہ ہے اور لفظ کتاب غور طلب''

''۔۔۔حضور رسالت مآب ﷺ تشریف لائے۔ باب نبوت بند ہوا۔ انسانیت اپنے کمال کو پہنچی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوہ حسنہ کاملہ ہی ہر اعتبار سے ہمارے لیے حجت، مثال اور نمونہ ٹھہرا'' (۵)

انسان کے لیے تعلق باللہ ضروری ہے۔ اسلام نے تعلق باللہ کا رشتہ ایک طرف علم اور دوسری جانب عمل سے جوڑا اور ہدایت کی کہ اٹھتے بیٹھتے ہمیشہ ذکر الٰہی ہوتا رہے۔ اس میں جگہ کی قید ہے نہ وقت کی۔ اس نے باقاعدہ عبادت کو بھی ہر پہلو سے واضح اور متعین کر دیا'' (۶)

''اسلام نے ہر معاملے میں ایک فطری اور طبعی روش اختیار کی۔ اس لیے کہ اسلام کا مقصد ہے فرد اور جماعت کی تربیت۔ اس کا ہمہ وجوہ اور مسلسل نشو ونما۔ اسلام قوائے حیات کا شیرازہ بند ہے۔ اسلام ہی وہ ائتلاف ہے (syhthesis) (مطلب ہے جملہ قوائے حیات کی شیرازہ بندی صحیح اصول پر ایک تعمیری مقصد کے لیے) جس کی دنیا کو ضرورت تھی اور ہے'' (۷)

عصبیت تو بہر حال اسلامی ہونی چاہیے۔ رہے نسلی تعصبات، سو یہ جیسا کہ میں نے کہا ہے ایک دن میں دور نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے صبر اور محنت کی ضرورت

ہے۔ ہماری کوشش بہر حال یہ ہونی چاہیے کہ اپنے دل و دماغ اور سیرت و کردار میں وہ رنگ پیدا کریں جس کی اسلام نے تلقین کی ہے اور جس میں شریعت کا اتباع لازم ٹھہرتا ہے'' (۸)

''جب کوئی قوم گر جاتی ہے تو اس کا یہی حال ہوتا ہے میں نے جاوید نامہ میں لکھا ہے۔ مسلمان اپنی قوت تخلیق کھو کر دوسروں کی تقلید پر اتر آتے ہیں۔ یہ قوت تخلیق ہی قوموں کے آئین زندگی اور تہذیب و معاشرت کی جان ہے۔ ضرورت ہے قوت تخلیق کی'' (۹)

یاد رکھو! دنیا کی کوئی قوم اپنا اصول قومیت چھوڑ کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ موت جب ہی وارد ہوتی ہے جب قومیں اپنے اصول زندگی سے منحرف ہو جائیں عالم اسلام کی بدولت وجود میں آیا۔ اس کی ہستی اسلام سے وابستہ ہے اور اسلام ہی کی بدولت اس میں پھر زندگی پیدا ہو گی'' (۱۰)

''انگریز چاہتے ہیں مسلمان جغرافیائی وطنیت کا اصول اختیار کریں تا کہ اسلام کی حیثیت ایک عقیدے سے زیادہ نہ رہے اور امت یعنی بطور ایک سیاسی اجتماعی نظام کے اس کی وحدت ختم ہو جائے'' (۱۱)

''مسلمان ایک ہیں اور ہمیشہ ایک رہیں گے'' (۱۲)

(i) ''اس وقت جو حالات ہیں ان میں مسلمانوں کا گزر ایک بڑے نازک مرحلے سے ہو رہا ہے۔ وہ متحد نہ ہوئے اور نہیں سمجھے کہ اسلام ان سے کس قسم کے عمل کا طالب ہے تو انجام اچھا نہیں ہو گا۔

(ii) ''نئی تعلیم آئی اور الحاد و دہریت ساتھ لائی۔ مدرسے اور خانقاہیں کب

سے ویران پڑی ہیں۔ دیوبند کی دینی عصبیت سے بڑی توقعات تھیں۔ دیوبند کو کیا ہوا؟(۱۳)

''------مغربی تہذیب وتمدن اور علم وحکمت کی جو روح انگریزی تسلط کے ساتھ آ گئی ہے ڈرنے کی چیز نہیں۔ ہم اس سے استفادہ کر سکتے ہیں اور کرنا چاہیے۔ اسلام عقائد کو اس سے کوئی خطرہ نہیں''(۱۴)

''اسلام کی روح اجتماعی ہے لہٰذا عالمِ اسلام کا زوال وانحطاط رک سکتا ہے تو کسی ایسی ہی تحریک سے جو اس پورے کل پر محیط ہو۔ جسے ہم دینِ اسلام سے تعبیر کرتے ہیں۔ قطع نظر اس سے یوں دیکھنے میں اس کی نوعیت سیاسی ہو یا اجتماعی، اخلاقی یا مذہبی یعنی کسی ایک پہلو پر مرکوز ہو''(۱۵)

فرمایا:''اسلام سے بڑھ کر انسان دوستی اور وسیع المشربی ہے کہاں؟ اسلام ہی نے سب سے پہلے وحدتِ انسانی پر زور دیا اور اسلام ہی نے اخلاقی اور اجتماعی، ہر اعتبار سے اس کا کامل ومکمل تصور قائم کیا۔ لہٰذا اس کی حیثیت محض ایک خیال کی نہیں رہی، بلکہ ایک مؤثر، فعال اور فیصلہ کن عنصر کی تاکہ بطور ایک حقیقتِ حیات، فرد اور معاشرے کی زندگی میں اس کا اظہار ایک عملی اور واقعی شکل میں ہوتا رہے۔ لہٰذا امت محمدیہ کی تشکیل ہوئی اور وہ سب امتیازات باطل ٹھہرے جو انسان اور انسان میں حائل اور اس کی وحدت کے منافی ہیں اور جنہوں نے اقوام وامم کے جداگانہ تشخص اور طریق زندگی کی آڑ میں اب پھر سر اٹھایا ہے۔ جب تک یہ امتیازات اور گروہ بندیاں قائم ہیں، نہ انسانی دوستی اور وسیع المشربی میں کوئی معنی پیدا ہوں گے، نہ افراد واقوام کے اندر اس خالصتاً انسان ضمیر کی تخلیق ہو سکتی ہے جس سے اس کا مستقبل وابستہ ہے۔

اس کی تخلیق ہو گی اور دنیا فی الواقعہ انسانی دوستی اور وسیع المشربی اختیار کرے گی تو اس اجتماعی عمل کی بدولت جس کی تکمیل کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ شریعت اسلامیہ کا اتباع۔ یہ نکتہ ہے جسے انسان دوستی اور وسیع المشربی کے غلط تصور میں ہم اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں''(۱۶)

فرمایا''لیکن میں کہہ رہا تھا علمی تجسس! مسلمانوں میں علمی تجسس کا فقدان ہے۔ عالمِ اسلام کا ذہنی انحطاط حد درجہ اندوہ ناک ہے۔ مسلمانوں میں علمی روح باقی ہے، نہ علم وحکمت سے کوئی دلی شغف۔ تھوڑی بہت بیداری جو نئی تعلیم اور مغرب کے زیر اثر پیدا ہوئی اس کا نتیجہ بھی یہ ہوا کہ علم وحکمت کے بارے میں ان کے ذہن نے کوئی اچھا اثر قبول کیا۔ وہ علم وحکمت کی صحیح روح و سمجھتے ہیں، نہ اس کے ماضی، عہد بہ عہد ارتقاء، انقلابات اور تغیرات کو، نہ اس میں قوموں کے حصے اور ان کے نقطہ نظر کو۔ اگر کچھ ہے تو تقلید یا پھر یورپ سے چند ایک مستعار لیے ہوئے خیالات کا اعادہ۔''(۱۷)

فرمایا:''حالانکہ مسلمانوں کو علم وحکمت میں سب سے پیش پیش ہونا چاہیے۔ ان کا علمی ورثہ بڑا عظیم اور قابلِ فخر ہے۔ علم وحکمت کی کون سی شاخ ہے جس پر ان کی ذہانت، اجتہاد اور نبوغ کا نقش ثبت نہیں۔ یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے صحیح معنوں میں ''علمی روح'' پیدا کی اور علوم وفنون کو ان کے اصل راستے پر ڈال دیا۔ علم کا وجود، جسے آج کل سائنس کہتے ہیں، انہیں کا مرہون منت ہے''

فرمایا''ہم کیوں نہیں سمجھتے یہ اسلام ہی تھا جس نے وہ شرائط ہم پہنچائیں جن پر علم کی ترقی اور نشوونما کا دارومدار ہے۔ یہ شرائط کیا تھیں؟ مشاہدہ معائنہ، فکر ونظر،

kitaabiyat.blogspot.com

محسوس اور مرئی کا احترام، تجربہ، تحقیق، تفتیش، حقائق کا اثبات، ان کا مطالعہ اور ان کی مسلسل تاویل و تعبیر! یہ شرائط پوری نہ ہوتیں تو علم کا راستہ دیر تک رکا رہتا''

فرمایا''مسلمانوں کے زوال علم کی ذمہ داری محض سیاسی معاشی حالات پر عائد نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کا علمی زوال تو ان کے دور محکومیت سے بھی زیادہ متقدم ہے۔ لہٰذا سوچنے کی بات ہے کہ اسے زوال ہوا تو کیسے اور کیوں؟

فرمایا: ''جاپان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اہل جاپان کے یہاں کوئی علمی روایت نہیں تھی۔ وہ ایک طرح سے علم و حکمت میں کورے تھے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس میدان میں اس طرح آگے بڑھے کہ اہل یورپ کے مدمقابل بن گئے۔ مسلمانوں نے بھی تو کبھی اپنے اردگرد کی دنیا سے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ دنیا معرض زوال میں تھی علم و حکمت کا اکتساب کیا تھا۔ مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس شان سے آگے بڑھے کہ علم و حکمت کی کائنات ہی بدل دی۔ علم کو صحیح معنوں میں علم کا درجہ عطا کیا۔ مسلمان آج پھر ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ مسلمان میں دم کیوں نہیں؟ (۱۸)

حوالہ جات

اقبال کے حضور۔ از سید نذیر نیازی

۱۔ صفحہ ۲۲۔
۲۔ صفحہ ۲۶۔
۳۔ صفحہ ۴۵۔
۴۔ صفحہ ۵۱۔
۵۔ صفحہ ۶۱۔
۶۔ صفحہ ۷۳۔
۷۔ صفحہ ۷۴۔
۸۔ صفحہ ۱۵۱۔
۹۔ صفحہ ۱۷۴۔
۱۰۔ صفحہ ۱۹۷۔
۱۱۔ صفحہ ۲۶۱۔
۱۲۔ صفحہ ۲۶۹۔
۱۳۔ صفحہ ۲۷۱۔
۱۴۔ صفحہ ۲۸۵۔
۱۵۔ صفحہ ۲۸۸۔
۱۶۔ صفحہ ۳۳۵۔
۱۷۔ صفحہ ۳۷۳۔
۱۸۔ صفحہ ۳۷۳،۳۷۴۔

kitaabiyat.blogspot.com

روشن خیالی اور روشن ضمیری

روشن خیالی یا دماغی روشنی نے یورپ کی مادہ پرستانہ تہذیب کی کوکھ سے جنم لیا۔ تیرھویں صدی عیسوی سے تحریک احیائے علوم کا سفر شروع ہوا اور مسلسل تین سو سال تک یورپ میں مختلف علوم وفنون اور الحادی فلسفے پرورش پاتے رہے۔ سترھویں صدی کے آغاز میں آزاد خیالی یا روشن خیال وجود میں آئی۔ روشن خیالی کا فلسفہ بھی یورپ کے دیگر فلسفوں کی طرح الحادی فلسفہ حیات ہے۔ جو کسی طرح کی بھی مذہبی حد بندی یا رکاوٹ کو برداشت نہیں کرتا۔ تنگ نظری یا توہمات سے گریز پائی اختیار کرتا ہے۔ اس مادی نظریہ ارتقاء کا لب لباب یہ ہے کہ عقل کی پیروی کرو۔ شعوریت و منطقیت کی بات کرو۔ جہاں تک عقل دیکھ سکتی ہے یا سمجھ سکتی ہے وہیں تک رہو۔ تجرباتی، تجزیاتی، مشاہداتی شعور وفکر کی بات مانو۔ اس کے برعکس ماورالطبیعیات کی دنیا سے الگ رہو۔ اس فکر وفلسفہ نے عقل وشعور کو یورپ میں پروان چڑھایا۔ مادی علوم وفنون ترقی پذیر ہوئے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نے عروج حاصل کیا۔ لہذا یورپ والوں نے فضا اور خلا کو تسخیر کیا۔ سمندروں پر حکمرانی کی۔ اقتصادیات وسیاسیات اور عمرانی علوم میں بہت زیادہ پیش رفت کی اور دنیا پر وہ حکمرانی کرنے لگے مگر مذہبی طور پر

وہ لوگ بانجھ ہو گئے۔ روحانیت اور وجدان کے راستے سے ہٹ کر وہ فقط عقل کے بندے رہ گئے۔ یونان و روما کا ابلیسی کلچر اپنا کر پھولے نہ سمائے۔ انجام کار اہالیان یورپ وحی کی روشنی سے محروم ہو کر روشن ضمیری سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے عشق سے قطع تعلق کیا اور اپنی دنیا کو جہنم زار بنا لیا معاشرتی طور پر وہ رومانی اور اخلاقی قدروں سے ہٹ کر بے راہ روی اور بے یقینی کا شکار ہو گئے حقیقت یہ ہے کہ عقل کی اہمیت اور رہنمائی سے انکار ممکن نہیں مگر عقل ایک حد تک رہنمائی کر سکتی ہے۔ عشق زندگی کے دقیق ترین مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ عمیق ترین حقائق حیات فقط عشق کی بدولت ہی مسئلہ شہود پر آتے ہیں۔ اقبال عقل اور عشق کا موازنہ کرتے ہوئے ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

راز ہستی کو تو سمجھتی ہے
اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں(۱)

اقبال محسوس کرتا ہے کہ عقل کی بے راہ روی تہذیب جدید کا المیہ ہے۔ پچھلے تین سو سال سے عقل طبیعی کو فروغ ملا۔ خارجی فطرت کی تسخیر نے اہل یورپ کو باطنی دنیا سے غافل کر دیا۔ خدا اور مابعد الطبیعی حقائق پردے کے پیچھے چلے گئے۔ اقبال نے یورپ کی ملحدانہ عقل کو فکر گستاخ، اور آزادی افکار کا نام دیا ہے۔ لہذا وہ مادیت اور طبیعات سے محصور عقل کو شک اور استحکام کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ عقل عیار بہانہ جو اور مکار ہے اس کے برخلاف عشق مذہب اور روحانیت کا سرچشمہ ہے۔ خرد زمان ومکان میں محصور ہے مگر عشق لازمان ولامکان ہے۔

روشن خیالی کے برعکس روحانیت، وجدان، عشق ومعرفت، سوز ویقین، جذب

kitaabiyat.blogspot.com

وستی' سوز و ساز' سوز دروں' سرشاری خودی ہے۔ اظہار کے لیے روشن ضمیری کا لفظ نہایت مناسب اور برمحل ہے۔ جس کا مطلب دل' من' جی، اندرون دل' راز اور بعید ہے۔ اقبال اس لفظ کو روحانیت اور عشق کا متبادل سمجھتے ہیں۔ اقبال نے عشق کا تصور اپنے مرشد رومی سے لیا جسے وہ مرشد روشن ضمیر کے علاوہ' پیر رومی' پیر یزدانی' پیر عجم' دانائے اسرار قدیم' پیر حق سرشت' رفیق راہ ساز آئینہ حسن ادب' امام عاشقان' درد مند' چراغ رہ احرار اور امیر کاروان عشق وستی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ رومی سالار کارواں ہے تو اقبال اس کا ایک راہ رہ ہے۔ اقبال کے فلسفہ خودی اور سوز عشق کو رومی کے روح پرور پیغام کی بدولت براہ راست فیض ملا علاوہ ازیں یقین و ایمان' جرات وقوت اور حریت فکر جیسی صفات عالیہ سے ہمکنار رہوا۔

یورپ روشن خیالی سے معمور مگر روشن ضمیری کی دولت سے محروم ہے۔ وہ فقط عقل وشعور کی آنکھ سے دیکھنے کا قائل ہے۔ ایمان وایقان کی روشنی میں اگر وہ عقل کی آنکھ سے دیکھتا ہے تو ساحل مراد کو پالیتا اور یوں الحادی فلسفوں اور مادہ پرستانہ نظریات کی بے فیض وادیوں میں نہ بھٹکتا پھرتا۔

یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد
زیر گردوں رسم لا دینی نہاد(۲)

خردمندان یورپ کا دماغ روشن ہے۔ سینہ روشن نہیں ہے۔ ان کا من اندر سے سوداگرانہ ہے۔ خودغرضی' بے حسی' عریانی' مکاری' عیاری لادینیت' استعماریت' استحصالیت، آزادخیالی' ننگ آدمیت مشرکانہ کلچر کی آبیاری' بے راہ روی' ابلیسی نظام سیاست' اخلاق باختگی جیسی صفات سے یورپ متصف ہے ایسے حواس باختہ اور عقلیت

کے پوجاریوں پر اسرار حق واشگاف نہیں ہوتے۔ اور اسرار جان سے بھی محروم رہتے ہیں۔ انہیں سوز وساز و درو داغ اور جذب ومستی کی زندگی نصیب نہیں ہوتی۔ عقل کے صدف میں روحانیت کا موتی پرورش نہیں پاتا۔ فرنگی آقاؤں نے بغیر جنگ کیے اقوام کو غلام بنا رکھا ہے۔ اقتصادی اور سیاسی طور پر وہ دنیا پر چھائے ہوئے ہیں۔ ان کی مشینوں کی گردش میں غریب ملکوں کے لوگوں کی جانیں تلف ہو رہی ہیں۔ حسب ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

دانش افرنگیاں تیغے بدوش
در ہلاک نوع انساں سخت کوش
با خساں اندر جہان خیرو شر
درنسازد مستی علم و ہنر
آہ از افرنگ و از آئین رو
آہ از اندیشہ لا دین او
علم حق را ساحری آموختند
ساحری نے کافری آموختند
ہر طرف صد فتنہ می آرد نفیر
تیغ را از پنجہ رہزن بگیر
اے کہ جاں را باز می دانی زتن
سحر ایں تہذیب لا دینے شکن(۳)

kitaabiyat.blogspot.com

روشن خیالی اور روشن ضمیری کی جگہ اگر ہم عقل اور عشق کے الفاظ مستعمل کریں تو بات زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ دراصل عقل بہانہ جو ہے۔ بزدلی، بے بسی، کوتاہ نظری، مجبوری اس کی صفات ہیں۔ منفعت، حرص ہوس اس کی مجبوری ہے۔ استدلالی عقل حیلہ گری، کم نگہی اور نارسائی تک محدود ہے۔ اعلیٰ اخلاقی اور روحانی اقدار کی بجائے پست جذبات اور مادہ پرستی سکھاتی ہے۔ امام غزالی نے عقل کو عقل جزوی اور عقل نبوی میں منقسم کیا ہے۔ وہ عقل جزوی سے عقل حیلہ گر عقل نارسا اور عقل کم نگہ مراد لیتے ہیں۔ جب کہ حقائق اشیاء کا صحیح ادراک کرنے والی عقل کو عقل نبوی کہتے ہیں اقبال بھی عقل کو دو حصوں میں منقسم کرتا ہیں۔--- دانش نورانی اور دانش برہانی۔ دانش نورانی کے تحت وہ حکمت کلیمی اور حکمت ارباب دین متصور کرتے ہیں جب کہ دانش برہانی کے زمرے میں وہ حکمت فرعونی اور حکمت ارباب کیں شمار کرتے ہیں۔ برخلاف عقل عشق کائنات کا اصل الاصول ہے۔ یقین، سوز جرات، استقامت، سرفروشی، بے نیازی، آزادی وجدان، جذب و مستی کا درس دیتا ہے۔ زندگی اور خودی کے ارتقاء کا عشق ہی ضامن ہے عشق تخلیق، نمو، ارتقاء، حرکت، نظم و ترتیب، اور تسخیر فطرت پر مائل کرتا ہے۔ عشق سوز بھی ہے ساز بھی ہے۔ یہ ایک لازوال حقیقت ہے۔ دراصل سوز و ساز عشق کی روح رواں ہے۔ عشق صفات محبوبی اپنے اندر جذب کرنے کی سعی کرتا ہے۔ مولانا رومی تو کائنات میں عشق کو تمام مسائل کا حل قرار دیتے ہیں

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما (۴)

اقبال بھی اپنے مرشد کی طرح عشق کی فلسفہ میں بنیادی حقیقت قرار دیتے ہیں۔

عشق از فریاد ما ہنگامہ ہا تعمیر کرد
ورنہ ایں بزم خموشاں ہیچ غوغائے نداشت (۵)

دراصل مغرب کی رہنما عقل ہے جب کہ مشرق کا سرچشمہ میر حیات عشق ہے۔ انسانی فلاح کے لیے عقل اور عشق کی ہم آہنگی لازمی ہے۔ علم اور عشق زندگی کی بنیادی قدریں ہیں۔ عقل کا انتہائی وجدان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دونوں کی ہم آہنگی اور تعاون کے بغیر انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انقلاب نہیں آ سکتا۔ جلوت اور خلوت کے امتزاج ہی سے عشق کی پوری قوت کا اظہار ہو سکتا ہے۔ حیات رسول ﷺ جلوت اور خلوت کی اعلیٰ ترین مثال ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں کہ عقل بھی عشق ہے اور ذوق نظر سے بیگانہ نہیں ہے مگر اس بے چاری کے پاس جرأت رندانہ نہیں ہے۔

عقل ہم عشق است واز ذوق نظر بیگانہ نیست
لیکن ایں بے چارہ را آں جرات رندانہ نیست (۶)

عقل و عشق کا حسین امتزاج ہی کامیابی کا ضامن ہے۔ گویا کہ یہ نہایت اندیشہ و کمال جنوں ہے۔ عقل اپنے بے باک جلوے سے دنیا کو روشنی کرتی ہے۔ مگر آئین جہاں تابی وہ عشق ہی سے سیکھتی ہے۔

عقلے کہ جہاں سوزد از جلوہ بیباکش
از عشق بیاموزد آئین جہاں تابے (۷)

اقبال اپنے خطبات میں فرماتے ہیں کہ عقل اپنی ارفع ترین شکل میں وجدان سے مل جاتی ہے۔ کہ آخر کار عقل بھی جنوں کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ زمانہ کو اس حقیقت کا پتہ نہیں ہے کہ جنون وہ لباس ہے جو کہ خرد پر موزوں آتا ہے۔

kitaabiyat.blogspot.com

زمانہ ہیچ نداند حقیقت او را
جنوں قباست کہ موزوں بہ قامت خرد است (۸)

اقبال عشق اور دانش کی آمیزش پر یقین رکھتے ہیں دونوں کے امتزاج سے کائنات کی تسخیر ہوتی ہے روحانی بصیرت اور دماغی قوت دونوں مل کر زندگی کو توازن بخشتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اے انسان اٹھ اور دوسری دنیا کے نقش کی بنیاد رکھ وہ اس طرح کہ عشق اور زیرکی کو باہم ملادے۔ عشق فرزانگی کی مدد سے محکم بنیاد ہو جاتا ہے۔

خیز و نقش عالم دیگر بنہ
عشق را با زیرکی آمیز دہ (۹)

حکیم الامت فرماتے ہیں کہ روشن ضمیری، صاحب نظر سے ملتی ہے مدرسوں اور خانقاہوں میں دانش نورانی نہیں ملتی مدرسوں سے نکلے ہوئے فارغ التحصیل نوجوان تو دورِ حاضر کے بت ہیں جو ادائے کافرانہ اور تراش آزرانہ بھی نہیں رکھتے۔ ضمیر پاک و نگاہ بلند اور شوق و مستی ہی اصل مال و زر ہے۔ اسی سے سینہ روشن اور سوز و گداز پیدا ہوتا ہے۔ یہ مال و متاع فکر افلاطون سے کہیں زیادہ قابل ستائش ہے۔ اقبال کس امارت اور درویش کی بات کرتا ہے۔

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری (۱۰)

یقین کی دولت ہی سرمایہ مومن ہے۔ اسی یقین کی قندیل سے دل و سینہ منور ہوتے ہیں۔ اقبال گویا ہیں کہ خرد اگر دل کی نگہ سے دیکھے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ

جہاں لا الہ کے نور سے روشن ہے۔ ظن و تخمیں سے انسان کا ضمیر روشن نہیں ہو سکتا اور نہ ہی منزل مراد ملتی ہے۔

حیات جاوداں اندر یقین است
ظن و تخمیں اگر گیری بمیری (۱۱)

بندہ مومن کی کہانی بڑی دل کش اور پسندیدہ ہے اس کا جگر پر خون، روح روشن اور نگہ بلا کی تیز ہوتی ہے۔ دنیا میں وہ جگر کاوی سے کام لیتا ہے روحانی روشنی اسے باطل پرستی سے بچاتی ہے اور نگہ کی تیزی اسے دوررس بنا دیتی ہے۔

حدیث بندہ مومن دل آویز
جگر پر خون، نفس روشن، نگہ تیز (۱۲)

کلام اقبال کے حسب ذیل اشعار روشن ضمیری اور بیداری دل اور روحانی بصیرت کے غماز ہیں۔

وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن
پرکار و سخن ساز ہے غمناک نہیں ہے
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری
مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری
تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

kitaabiyat.blogspot.com

تو اے مولائے یثربؐ آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب دیں از نظر

لیکن از تہذیب لا دینے گریز
زاں کہ او با اہل حق دارد ستیز

برخور از قرآں اگر خواہی ثبات
در ضمیرش دیدہ ام آب حیات

عشق من از زندگی دارد سراغ
عقل از صہبائے من روشن ایاغ

شریک درد و سوز لالہ بودم
ضمیر زندگی را وا نمودم

غربیاں را شیوہ ہائے ساحری است
تکیہ جز برخویش کردن کافری است

مرد حر از لاالہ روشن ضمیر
می نہ گردد بندہ سلطان و میر

فاش می خواہی اگر اسرار دیں
جز بہ اعماق ضمیر خود مبیں

ایں چنیں دل خود نگر اللہ مست
جز بہ درویشی نمی آید بدست

چوں مسلماناں اگر داری جگر
در ضمیر خویش و در قرآں نگر

اقبال نے اپنے اردو اور فارسی کلام میں روشن خیالی اور روشن ضمیری کی مناسبت سے تراکیب استعمال کی ہیں۔ روشن خیالی سے مراد عقل، دانش افرنگ، تہذیب حاضر، دانش برہانی، حیات تازہ جب کہ روشن ضمیری کے لیے عشق، بصیرت روحانی، یقین، سوز و ساز، درد و داغ، نگاہ، نظر، سینۂ روشن کے الفاظ، تراکیب مستعمل ہوئے ہیں۔

اردو کلام کی تراکیب بہ حوالہ عقل و دانش (روشن خیالی)

تہذیب نوی، تہذیب کے آزر، زائران حریم مغرب، بادۂ تہذیب حاضر، حیات تازہ، معبود حاضر، طب مغرب، مے فروشان فرنگ، طوفان مغرب، چمک تہذیب حاضر کی، تیغ کارزاری، ہوس کا پنجہ خونیں، روش مغربی، تعلیم مغربی، تہذیب نو، بتان عصر حاضر، دانش برہانی، فرنگیوں کا فسوں، حسن فرنگ کی بہار، دانش افرنگی، فرنگ دل کی خرابی خرد کی معموری، عذاب دانش حاضر، درس فرنگ، حیلۂ افرنگی، میخانۂ افرنگ، نگہ آلودۂ انداز فرنگ، چراغ رہگذر، فکر گستاخ، فرنگی مقامر، تجلئ افرنگ، سم افرنگ، مجذوب فرنگی، فرنگی مدنیت، لب گور، فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب، مردہ لادینی افکار سے

kitaabiyat.blogspot.com

افرنگ میں عشق، فروغ مغربیاں، نظر وران فرنگی، لرد فرنگی، تقلید فرنگی، مسافر انگلیسی، سوداگر یورپ، فرنگی بتکدہ، ضمیر مغرب۔

روشن ضمیری کی تراکیب اردو کلام

پیغام سجود، سینہ سوزاں، تلقین غزالی، نور توحید، زندہ تمنا، شوق تماشا، نوائے درد، نغمۂ سحر گاہی، فغان نیم شبی، سوز کہن، نوائے جگر گداز، نگاہِ مرد مومن، گریہ سحری، آہ نیم شبی ہنگامہ ہائے شوق، مقام شوق، درد و سوز و آرزو مندی، فیضان نظر، تب و تاب جاودانہ، دانش نورانی، جذب و مستی، نگاہ عشق و مستی، سوز مستی جذب و شوق، جذب مسلمانی، دل بینا، سوز تب و تاب، جذب قلندرانہ، نوائے صبح گاہی، آہ سحر گاہی، فغان صبحگاہی، نور و حضور و سرور، سوز و تب و درد و داغ، سحر و سرور و سرود، سوز و گداز، سجود پاک دل و پاکباز، اشک سحر گاہی، مقام شوق و سرور نظر، تجلیات کلیم و مشاہدات حکیم، فقر غیور، مستی کردار، قوت و شوکت کا پیغام، ضمیر بندہ خاکی۔

فارسی کلام تراکیب روشن خیالی

تہذیب نو آدم دری، زنار فرنگ، نشہ افرنگ، مست فرنگ، کشتہ افرنگیاں، طلسم فرنگ، جلوۂ افرنگ، فریب غربیاں، بند فرنگ، فتنہ عصر رواں، کافر نگاہاں، پیمانہ فرنگی، عصر بے نور، عصر بے سوز، تقلید فرنگی، ابلیسان ایں عصر، پرویزاں ایں عصر، خرد بیگانہ ذوق یقین، دانشوران کور و بے ذوق، فرد بیگانہ دل، عقل مکار، عقل سفاک، عقل چالاک، بیم و شک را سرمایہ، آزادیٔ افکار، فکر گستاخ، عقل فسوں پیشہ، عقل ہزار حیلہ، عقل خود بیں،

عقل دوراہ، عقل ناپروا، دانش مغربیاں، افسونی افرنگ، دانش تمام حیلہ و نیرنگ، خرد زنجیر پا، حاصل تہذیب لادینے، نگر آتش افرنگیاں۔

تراکیب روشن ضمیری

ذوق نگاہ، قلب سلیم، عزم و تسلیم و رضا، عشق و مستی، جذب و سلوک، گرمی بدر و حنین، بانگ تکبیر حسینؓ، مستی و ارفتگی، مرد فقیر، فیض نگاہ، اسرار فقیری، اسرار یقین، بندہ مولا صفات، فقیر غیور صدق و اخلاص و وفا، تسلیم و رضا، چشم بینا، لذت صدق و یقین، سوز و مستی، سوز و ساز، روشن بصر، اہل نظر، مستی و ذوق و سرور، سوز و ساز عاشقان دردمند، سوز جگر، صاحب نظر، ضمیر خویش، آئینہ ضمیری، فکر روشن، جوہر آئینہ، نور باطن، عزم و یقین، روشن ضمیر، دل روشن، سوز دروں، دل درد آشنا، دل بیباک، چشم پاک بیں، نور خودی، دیدۂ روشن، ضمیر کن فکاں، دل زندہ، شعلہ سینہ، ذوق و شوق، اشک صبح گاہی، متاع عشق، ذوق خودی، سوز مشتاقی، جذب و شوق۔

روشن خیالی اور روشن ضمیری کا موازنہ

جیسا کہ روشن خیالی اور روشن ضمیری کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ دونوں اصطلاحات اپنے پیچھے بھرپور ثقافتی، معاشرتی اور تہذیبی پس منظر رکھتی ہیں۔ ایک مادی اور الحادی معاشرہ کی تصویر ہے اور دوسری اپنے اندر روحانی بصیرت، جذب و مستی کیف و سرور اور عشق دل آویز کا منظر سمائے ہوئے ہے۔ حسب ذیل موازنہ میں کوشش کی گئی ہے کہ قارئین کے دل و نظر میں دونوں اصطلاحات کا مفہوم بیٹھ جائے۔

روشن خیالی	روشن ضمیری
1۔ یورپ میں تحریک احیائے علوم کی روشنی میں یہ اصطلاح پیدا ہوئی۔	روشن ضمیری قرآنی اساس اور اسوہ حسنہ رسول اکرم ﷺ سے متعلق ہے۔
2۔ یورپی روشن خیالی مغربی فلسفہ حیات کی دین ہے۔ اس کا پس منظر یونان و روما کا مشرکانہ حسی کلچر ہے۔	یہ عقل و عشق کے حسین امتزاج سے وجود پذیر ہوئی۔ وحی کی روشنی میں عقل کی آنکھ سے دیکھنے کا نام ہے۔
3۔ یہ تجرباتی، تجزیاتی مشاہداتی اور عقلی بنیادوں پر قائم ہے۔	یہ وحی کی بنیاد اور اسوہ حسنہ پر قائم ہے۔
4۔ روشن خیالی زندگی کا ایک میکانکی تصور حیات تھامے ہوئے ہے جو فقط عقلی بنیاد پر مادی کائنات کے رنگ و بو تک محدود ہے۔ اجزا کی ترکیب و ترتیب سے انسان پیدا ہوتے ہیں پھر انہی اجزا کی پریشانی سے ہلاک ہو جاتے ہیں یہ نظریہ حیات ماورا الطبیعیات کا بنیادی طور پر منکر ہے۔ کوئی خدا، فرشتے، رسول، وحی اور آخرت نہیں ہے۔ آخرت اور دنیا کی زندگی میں کوئی ہم آہنگی نہیں ہے۔	کائنات خدائے وحدہ لاشریک کی پیدا کردہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اس کائنات میں پیغام خداوندی لے کر آئے تاکہ بنی نوع انسانی کی روحانی اور مادی حوالے سے رہنمائی ہو سکے اور توازن حیات برقرار رہ سکے۔ دنیا کے مقابلے میں آخرت کی زندگی ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ لہٰذا دینوی زندگی اور آخروی حیات میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ سارا ڈھانچہ دینی عقاید پر استوار ہے۔
5۔ یہ طریقہ حیات عقل و منطق کا ترجمان ہے۔	اس نظریہ حیات سے روحانی اقدار کی ترجمانی ہوتی ہے مگر عقل و شعور کی اہمیت برقرار رہتی ہے۔

6۔ نفس پر کوئی قدغن نہیں لگاتی بلکہ نفس کی خواہش کی تکمیل ہی اس کا مطلوب و مقصود ہے۔ اخلاقی قدروں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔	اخلاقی قدریں بنیادی طور پر مسلم ہیں۔ تزکیہ نفس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔
7۔ روشن خیالی کے فلاسفر اور دانشور عقیدہ و مذہب کو بھی عقل و ذہن کی سطح پر لانا چاہتے ہیں۔	عقیدہ دل سے متعلق ہے۔ خدا پر غائبانہ ایمان لانا شرط اول ہے اسی طرح اس کے فرشتے رسول، آسمانی کتابیں اور یوم آخرت غائبانہ ایمان کا حصہ ہیں۔
8۔ یورپ کی روشن خیالی نے استعماریت، ناانصافی، خودغرضی، حسد، فریب، جھوٹ، ظاہر داری، بے آہنگی، عریانی، ناشکیبائی اور تاجرانہ ذہنیت پیدا کی۔ ان کا تمدن حیات اخلاقی قدروں کی بجائے مادی اقدار زندگی کی غمازی کرتا ہے۔	روشن ضمیری احترام آدمیت سے لے کر قیام آدمیت تک رہنمائی کرتی ہے۔ اس کے جلو میں انصاف، رواداری، ایثار، خلوص، بردباری اور اخلاقی اقدار پروان چڑھتی ہیں۔
9۔ ملحدانہ روشن خیالی کے تمام راہبران و آئمہ مشاہداتی و شعوری فلسفہ حیات کے پیغام بر تھے۔ زمینی حقائق و مشاہدات سے آگے ان کی نظر نہیں جاتی تھی۔	روشن ضمیری روح و مادہ کی ترجمان ہے۔ رسول خدا ﷺ خدا کے آخری پیغمبر تھے۔ آپؐ نے دین اور دنیا کی اجتماعیت کی بات کی۔ وحی کی روشنی میں خدا اور انسان کا تعلق بیان فرمایا۔ توازن حیات کا عملی نمونہ دکھا کر صراط مستقیم کی بات کی۔ روشن ضمیری، سوز و گداز کیف و مستی، فکر و عمل، حقیقت ہستی اور تزکیہ نفس ہے۔

kitaabiyat.blogspot.com

11۔ یہ آدم دری ہے یہ سوداگری ہے۔ یہ بے راہ روی ہے یہ شرمندگی ہے۔	یہ قلب ونظر، صدق وصفا اور رشد وہدایت کی پاسداری ہے۔
12۔ یہ بدن کی سرشاری اور روح کی موت ہے۔	روشن ضمیری روح کی بیداری اور قلب و نظر کی شرمساری ہے۔
13۔ یہ نظریہ ابلیسی ہے۔ اندیشہ نظر و فساد ہے۔ زندگی سے غیر ذمہ داری ہے۔	روشن ضمیری ہدایت رحمانی ہے۔ نگاہ مرد مومن ہے۔ آئینہ ضمیری ہے۔
14۔ روشن خیالی فروغ علم خاکی ہے۔	روح و مادہ یعنی توازن حیات کا علم ہے۔
15۔ روشن خیالی شرار بولہبی ہے۔	روشن ضمیری چراغ مصطفوی ہے۔
16۔ روشن خیالی زنگ ضمیر ہے۔	روشن ضمیری آئینہ ضمیر ہے۔
17۔ یہ خودی کی موت ہے۔	یہ خودی کی بیداری ہے۔
18۔ یہ عقل کی سلطنت ہے۔	یہ عشق کی سلطنت ہے۔
19۔ عقل بیم وشک ہے۔	عشق عزم ویقین ہے۔
20۔ خرد کی روشن خیالی زمان ومکان میں محدود ہے۔	عشق لازمان ولامکان ہے۔
21۔ خرد چراغ رہگذر ہے۔	عشق منزل مقصود ہے۔
22۔ عقل میں عقیدت کی پختگی نہیں ہوتی اس کے نظریات بدلتے رہتے ہیں۔	عشق عقیدت پر ثابت قدم رہتا ہے۔

کتابیات وحوالہ جات

۱۔ بانگ درا۔ عقل ودل۔
۲۔ پس چہ باید کرد اے اقوام شرق۔
۳۔ پس چہ باید کرد اے اقوام شرق۔
۴۔ مثنوی مولانا روم۔
۵۔ زبور عجم۔ حصہ دوم۔
۶۔ زبور عجم۔ دعا
۷۔ پیام مشرق۔ عشق
۸۔ پس چہ باید کرد۔ نجوانندہ کتاب۔
۹۔ جاوید نامہ۔ سعید حلیم پاشا۔
۱۰۔ بال جبریل۔ رباعیات۔
۱۱۔ ارمغان حجاز (فارسی) حضور عالم انسانی۔ تمہید۔
۱۲۔ ارمغان حجاز (اردو) رباعیات۔

kitaabiyat.blogspot.com

اسلام اور روشن خیالی

اسلام دین فطرت ہے۔ اسلام دنیا کا مذہب ہے اس دین میں عقل و شعور کی اہمیت کھل کر واضح کی گئی ہے۔ روشن خیالی کے دائرے میں، جہالت سے گریز، تعصب سے بچاؤ، توہمات سے دوری اختیار کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں نرم روی، برداشت، قانون کا احترام، منطقیت، تجربہ اور مشاہدہ جیسے امور بھی شامل ہیں۔ جہاں تک جہالت وتوہم پرستی کا تعلق ہے تو اسلامی حوالے سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا ہے کہ جاہلوں سے پرے ہٹ کر رہو۔ باقی نرم روی اور برداشت کا بھی قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ امور احترام انسانیت کے لیے بے حد ضروری ہیں۔ کردار مصطفےٰ ﷺ ان رویوں کا قدم قدم پر ثبوت دیتا ہے۔ احادیث مبارکہ بھی اس پہلو پر گواہ ہیں۔ حقیقت میں نرم روی اور برداشت حسن انسانیت ہیں۔ ان دو امور کے نہ ہونے سے فتنہ فساد اور لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے جو آگ کی طرح پھیل کر امن وامان کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ حتےٰ کہ جنگیں چھڑ جاتی ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے کفار کی شرائط پر سمجھوتہ کر لیا۔ آپ کو اللہ کا رسولؐ ماننے سے انکار کر دیا گیا۔ کفار کی بات کو مانتے ہوئے آپؐ نے صلح نامہ پر ذاتی نام لکھوایا۔

اسلام میں فکر و فلسفہ، حکمت و دانش عقل و خرد اور فہم و شعور پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں بار بار غور و فکر اور تدبر و دانش مندی کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے فرمایا کہ میرے دین کی جڑ عقل ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ دین اسلام میں فہم و فراست اور عقل و شعور کی کتنی اہمیت ہے۔ خطبہ حجتہ الوداع بھی روشن خیالی اور روشن ضمیری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تقریباً چودہ سو سال ہوئے کوئی انسانی شعور اور فکر و فلسفہ اس میں اضافہ نہ کر سکا۔ معروف دانشور مرحوم حکیم محمد سعید بانی ہمدرد (ٹرسٹ) نے اس خطبہ کی اشاعت کا اہتمام فرمایا اور دیباچہ کے طور پر لکھا "یہ خطبہ اسلام کے انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور اصول شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حقوق انسانی کے ایک عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے جسے جاری کیے ہوئے اب تقریباً چودہ سو سال ہو گئے مگر اس سلسلے میں اس خطبے میں دی ہوئی ہدایات پر کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکے گا۔ اس لحاظ سے صاحب جو امع الکلم اور افصح العرب والعجم کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ حرف آخر ہیں اور اس بنا پر اس خطبے کو ایک دائمی انسانی منشور (ہیومن چارٹر) قرار دینا چاہیے۔ اس خطبہ کی چیدہ چیدہ عبارت حسب ذیل ہے۔

"خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ صاحب تقویٰ خدا کی نگاہ میں زیادہ عزت والا ہے۔ رنگ، نسل، قبیلہ کی نفی کی گئی۔ فکر آخرت کی تلقین کی گئی۔ ایک دوسرے کے خون، مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام قرار دی گئیں۔ امانت کی پاسداری پر زور دیا گیا۔ اخوت اور غلام کے حقوق کے بارے میں وضاحت کی گئی۔ دور جہالت کے انتقام کالعدم قرار دیے گئے۔ حق دار کو حق خدا نے دے دیا۔ بچہ جس بستر پر پیدا ہو

kitaabiyat.blogspot.com

گا اسی سے منسوب کیا جائے گا۔ حرام کاری ثابت ہونے پر پتھر کی سزا ٹھہرائی گئی۔ قرض قابل ادا ٹھہرا۔ عاریتاً چیز واپس کرو۔ تحفے کا بدل دو۔ ضامن کے طور پر تاوان دو۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔ عورتوں اور مردوں کے حقوق کا احترام کیا جانا چاہیے۔ قرآن پر قائم رہے تو گمراہ نہ ہو گے۔ شیطان سے پرے رہ کر دین و ایمان کی حفاظت کرو۔ نماز، روزہ، حج ادا کرو۔ اپنے اہل امر کی اطاعت کرو۔ اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمہ دار ہوگا۔'' (۱)

''رحمۃ العالمین'' جلد سوم باب سوم میں اسلام کی فضیلت یوں درج ہے''

اسلام ہی دین التوحید ہے اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے اسلام ہی نے رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کر دیا۔ اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے۔ اسلام ہی دین العمل ہے۔ اسلام ہی بانی اخوت ہے۔ اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا۔ اسلام ہی غیر متعصب دین ہے۔ اسلام ہی دین المحبت ہے۔ اسلام ہی مساوات کا بانی ہے۔ اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا۔ اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے۔ اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے۔ اسلام ہی دین تمدن ہے۔ اسلام ہی وہ فیض رساں دین ہے جس سے اقوام عالم نے بالواسطہ فیوض حاصل کیے۔ اسلام ہی نے ہدایت الٰہیہ کو ربوبیت خالقیہ کی طرح کل عالم کے لیے عام بنایا۔ اسلام ہی نیکی کا مذہب ہے اسلام ہی پارسائی کا مذہب ہے۔ اسلام سچائی کا مذہب ہے اسلام ہی حسن و جمال کا دین ہے۔'' (۲)

روشن خیالی کے مغربی مفکرین ماوراالطبیعات کے اساسی طور پر منکر ہیں۔ ان کے نزدیک خدا، فرشتے، آخرت، انبیاء وحی وغیرہ سب بے وجود ہیں۔ مگر اسلام کا

بنیادی منبع ہی توحید ہے۔ اسی منبع سے ثقافت و تمدن کے سرچشمے پھوٹتے ہیں۔ خدا اپنی تمام صفتوں میں لاشریک ہے۔ آیئے اقبال کو دیکھیں۔

''اقبال مذہب کے متعلق وسیع النظر نظریہ رکھتے ہیں۔ اقبال اتباع رسول اکرم ﷺ میں دین کی بے کراں وسعتوں اور بے پایاں شفقتوں کے علم بردار تھے۔ علاقائی، نسلی، گروہی اور تمام تعصبات سے ماورا ہو کر صرف دین حق کی وابستگیوں سے متعلق ہو کر زندگی کرنا ان کا شعار رہا۔ ان کے نزدیک مذہب ایک ایسی طاقت جو آزادی بخشتی ہے قید نہیں کرتی۔ وقار عطا کرتی ہے۔ بے اعتبار نہیں بناتی۔

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں(۳)

علامہ کے فلسفہ اقدار میں اللہ کی وحدانیت پر ایمان تمام مذہبی اقدار کی سردار قدر ہے۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لاالہ الااللہ(۴)

اقبال اخلاقی قدروں کا منبع بجا طور پر اسلام کو قرار دیتے ہیں۔ نیکی، سچائی خیر، محبت۔ ایسی لازوال اخلاقی اقدار اس عظیم دین ہی کی عطا ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ اسلام دنیا کے ہر گوشے اور شعبے کو حقیقت پسندانہ نظریہ حیات عطا کرتا ہے۔ اخلاق اقدار سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان قرآن کی صورت میں ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے۔ (۵)

اقبال نے مشرق و مغرب کی تہذیبوں، تمدنوں، فلسفوں اور عالمی تغیرات کو

kitaabiyat.blogspot.com

گہری نظر سے دیکھا تھا۔ وہ مشرق کی روحانیت اور مغرب کی بے لگام جدید طرز حیات سے بخوبی آشنا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ مغرب مادیت کی گہرائی میں اس قدر گہرا جا چکا ہے کہ وہ اپنے نفع ونقصان کا اندازہ نہیں لگا سکا۔ مغرب نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت خلاؤں اور فضاؤں کو تسخیر کیا مگر اپنے اندر کی دنیا پر نگاہ نہ ڈال سکا۔ مادہ پرستی، آزاد خیالی اور حسی تمدن حیات نے انہیں کھوکھلا کر دیا ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا(۶)

اسلام کے معنی سلامتی اور امن کے ہیں اور یہ دین عالمگیر اخوت انسانی کا پیامبر ہے۔ اپنے اندر دین ودنیا، روح ومادہ، اخلاق وسیاسیات اور تقویٰ وپرہیزگاری جیسے امور حسن امتزاج کے ساتھ سموئے ہوئے ہے۔ اسلامی معاشرہ میں افراد کی حیثیت معاشی لحاظ سے نہیں بلکہ اخلاقی اقدار کے حوالے سے گردانی جاتی ہے۔ نیکی، سچائی، خیر اور محبت لازوال اخلاقی اقدار عالیہ ہیں۔ یہ نظام اقدار دراصل قرآنی فکر کا حصہ ہیں۔ اقبال انہی اقدار کا ترجمان وشارح ہے۔

خدائے قدوس کی ذات ہی الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، ولایت اور قدرت میں ایک واحد توحید ہے۔ وہی دین کا سرچشمہ ہے۔ اسلامی ثقافت کی بنیاد

ہے۔ عقیدہ کا فرق ہی کفر واسلام میں بنیادی فرق ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات طیبہ اسلامی معاشرے کا نمونہ اعلیٰ قرار پائے۔ قرآن نے یہی فرمان واضح طور پر بیان فرمایا ہے۔ علم کی فضیلت سرور انبیاء کی اس دعا سے واضح ہوتی ہے۔ ”اے رب، میرے علم میں اضافہ فرما“ اسلام دین فطرت ہے اس سے بڑھ کر روشن خیالی اور روشن ضمیری کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ فقط علم ودانش اور سوز وگداز ومعرفت و وجدان کا حسین امتزاج ہے۔

مغرب والے لاکھ روشن خیالی کی بات کریں وہ مادی علوم وفنون اور سائنس و ٹیکنالوجی کے طفیل توازن حیات کی حدوں میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ وحی کی روشنی حاصل نہ کر لیں۔ انہیں الحادی فلسفوں سے پرے ہٹ کر روحانی اقدار کا نظام اپنانا ہوگا۔ دلوں کو توحید ربانی کی روشنی سے منور کرنا ہوگا۔ ماورا الطبیعات کو دل وجان سے تسلیم کرنا ہوگا۔ دنیا کے علاوہ آخرت پر یقین لانا ہوگا۔ وگرنہ اہالیان و مفکرین مغرب یہ جان لیں کہ اس بے مقصد زندگی کا نتیجہ صفر ہے۔ بے نصیب العینی دل میں قوت ایمان، نگاہوں میں نور بصیرت اور بازوؤں میں جوش کردار پیدا نہیں ہونے دیتی۔ باطل بنیادوں پر استوار کیے گئے نظام حیات کبھی پائیدار ثابت نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ایک مشہور فلسفی (Pascal) اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہے۔

”انسانی ذہن اپنی فطرت سے مجبور ہے۔ کہ وہ کسی نہ کسی چیز پر ایمان رکھے۔ اور اسطرح انسان کا ارادہ بھی کسی نہ کسی سے محبت کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جب اسے ایمان اور محبت کے لیے کام کی باتیں نہیں ملتیں تو وہ بے کار اور خراب مقصد پر رَبجھ جاتا ہے۔ خلا قدرت کے کارخانے میں محال ہے۔ انسان جب خدا پر ایمان

kitaabolyat.blogspot.com

چھوڑ دے تو شیطان کی پرستش کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اچھے نصب العین سے دست کش ہو جائے تو برے راستے اسے خوش آتے ہیں۔(۷)

مندرجہ بالا حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے آیئے اور پرکھیے کہ مرحوم پرویز اس بارے میں اپنی تصنیف "اقبال اور قرآن" میں کیا کہتے ہیں۔"----مغرب نے ہر سامنے آنے والے معاملے کو علم اور عقل کی رو سے جانچا اور اس کا عملی حل تلاش کرنے کی کوشش کی۔ قوانین فطرت کے مطالعہ اور اشیائے فطرت کے مشاہدے سے انہوں نے قوانین فطرت کو ایک ایک کر کے مسخر کیا۔ انہوں نے زمین پر جال بچھا دیے، پانیوں پر اپنی حکومت قائم کی وہ فضا کی پہنائیوں پر مسلط ہو گئے ان کے ہاں کمی رہ گئی تو فقط یہ کہ ان کے پاس مستقل ضابطہ ایسا نہ تھا کہ جس سے انسانی معاشرہ میں توازن قائم رکھ سکتے،،(۸)

وحی ربانی ہر طرح کی خطا سے پاک ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ پر وحی لے کر تشریف لاتے تقریباً تیئس سال تک وحی کا نزول ہوتا اور آخر کار یہ پیغام ربانی قرآن کی شکل میں جمع ہوا۔ اسی وحی کی روشنی میں اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہدایات پہنچائیں اور اسلام کی طرف بلایا۔ لہذا آپ کی تعلیمات میں توازن حیات تھا۔ روحانیت و مادیت، روشن خیالی اور روشن ضمیری میں ایک حسین امتزاج نمایاں تھا۔ آپ نے میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ جیسے معاہدے کر کے ثابت کر دیا کہ اسلام امن و آشتی اور صلح صفائی کا دین ہے۔ تنگ نظری، تعصب و جہالت کی بجائے تحمل، بردباری، صبر، برداشت، نرم روی، احترام قانون، احترام انسانیت، حقیقی روشن خیالی اور روشن ضمیری کا ثبوت دیا علاوہ ازیں آپؐ نے اپنے آخری خطبے حجتہ الوداع

میں عالمگیر انسانی اخوت کا ضابطہ یوں فرمایا "عہد جاہلیہ کے تمام باطل نظریات میرے پاؤں تلے ہیں۔ یاد رکھو! تم سب ایک امت ہو۔ تمہارا رب ایک ہے۔ اصل کے اعتبار سے تم سب ایک ہو۔ اس لیے کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے"

اسلام میں لونڈیوں کی تعلیم کے بھی انتظامات کیے گئے یہی اسلام غیر اقوام سے بھی علم حاصل کرنے کی واضح ہدایات کرتا ہے۔ مساوات اور حقوق کا تاکیدی حکم ہے۔ نسل انسانی کے خیر خواہ کو بہترین شخص ٹھہرایا گیا ہے۔ عورت کو پہلی مرتبہ عزت و احترام ملا۔ وراثت میں اسے حصہ دار ٹھہرایا گیا۔ تحصیل علم شرف انسانی قرار پایا۔ تکریم انسانیت اور غلاموں کے حقوق کی بات کی گئی۔ اس کے علاوہ غلامی کو مٹانے کی سعی و کوشش کی گئی۔ اسلامی سلطنت کی آمدنی میں سے ایک حصہ خزانہ غلامی کے انسداد کے لیے وقف ہوا۔ استحصال اور ظلم و ستم کے تمام حربوں کی نفی کی گئی۔ احترام آدمیت سے قیام آدمیت کی جانب قدم اٹھایا گیا۔ اسلام توازن زندگی ایفائے انسانیت، امن و آزادی اور عقل و عشق کے امتزاج کا نام ہے یعنی بقول پرویز مرحوم دنیا کو وحی کی روشنی میں عقل کی آنکھ سے دیکھنے کا نام۔

پاکستان کا قیام علامہ اقبال مرحوم کے خطبہ الہ آباد کی روشنی میں دو قومی نظریہ کی بنا پر وجود میں آیا۔ برصغیر میں مسلم اور غیر مسلم دو قومیں ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ برصغیر میں زمین کا ایک آزاد خطہ لے کر تمدن اسلامی کا فروغ عمل میں لایا جائے۔ یعنی اسلامی اصولوں کو اپنا کر اسلامی تہذیب و ثقافت کی آبیاری کی جائے۔ مگر بدقسمتی یہ ہوا کہ آہستہ آہستہ ایک امت ملیہ کی بجائے ہم فرقوں، ذاتوں اور برادریوں میں بٹ

kitaabiyat.blogspot.com

کے رہ گئے۔ سید پٹھان، راجپوت، جاٹ، اعوان اور آرائیں وغیرہ۔ ہم نے دو قومی نظریہ سے ہٹ کر آدھا ملک گنوا دیا۔ باقی جو بچا ہے اسے لبرل، سیکولر اور دیگر مادی نظریات کے حوالے کر دیا۔

آئے دن مغربی فلسفہ حیات کے ابلیسی نظریے اور حوالے ہمارے سروں پر سوار رہتے ہیں۔ ہمیں یورپی مفکروں، دانشوروں، مادی سراغ رساؤں اور عمرانی و سیاسی تھنک ٹینکوں اور مشینی طرز حیات کے متوالوں کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ ہمیں یورپ کی چکا چوند روشنی، روشن خیالی لبرلزم، آزاد خیالی اور بے پدر و مادر فاسد خیالی کا گرویدہ بنایا جا رہا ہے۔ جنرل مشرف کا دور حکومت خاص طور پر یورپ اور امریکہ کے مادہ پرستانہ خیالات و توہمات میں جکڑا ہوا تھا۔ امریکی آشیر باد کے تحت لادینی خیالات کا پرچار کیا جاتا رہا۔ امریکی استعماری نعروں انتہاء پسندی، دہشت گردی کو تقویت ملی۔ اعتدال پسندی، سافٹ امیج، ماڈریٹ اسلام، اسلامی ترقی پسندی، روشن خیالی کے گن گائے گئے۔ غیر ملکی ثقافتی پروگراموں مثلاً میراتھن ریس، ویلنٹائن ڈے اور بسنت کو حکومتی سرپرستی میں فروغ ملا۔ بے راہ روی اور فاسد خیالی عام ہوئی۔ ایک مرتبہ جنرل مشرف سے فحش نشریاتی پروگراموں کے بارے میں شکایت کی گئی تو فرمانے لگے کہ جن لوگوں کو پروگرام اچھے نہیں لگتے وہ انہیں نہ دیکھا کریں۔ لہذا حکومتی رویوں اور محبوبانہ اداؤں کی وجہ سے ناپسندیدہ ثقافتی پروگرام عوام کے ذہنوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی گئی۔ ہم نے امریکہ کے نعرے اپنے نعرے سمجھے اور اس کی جنگ کو اپنی جنگ سمجھا اور اپنوں کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔ (جنوبی وزیرستان)۔ افسوس صد افسوس! یہ خرافات ایسے ملک میں سرانجام پذیر ہوئیں جو اسلام کے نام پر

حاصل کیا گیا تھا اور جس کے لیے ان گنت قربانیاں پیش کی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ امریکی حکومت کے دباؤ اور لالچ میں آ کر اسلامی نظریات کو خلط ملط کر دیا جائے۔ افکارِ اقبال کی بیخ کنی کی جائے۔ اسے تجدد پسند، ماڈرن اور ترقی پسند قرار دیا جائے۔ بالکل درست ہے مگر اقبال اسلام کے اندر رہ کر تو مجتہد ہے ترقی پسند ہے مگر اسلام کے باہر ہرگز نہیں۔ وہ مغربی نظریات کے الحاد کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ وہ مغرب کے فلسفہ حیات کو فکرِ گستاخ، فکرِ آزاد اور ابلیسی نظریہ حیات گردانتا ہے۔ وہ یورپ کی مفسدانہ شعوریت اور ملحدانہ منطقیت کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

قدح خرد فروزے کہ فرنگ داد مارا
ہمہ آفتاب لیکن اثر سحر نہ دارد (۹)

اسلام کے جہادی کلچر کو نئی نسل کے ذہنوں سے نکالنے کے لیے نصاب تعلیم کو تبدیل کرنے کی سعی کی گئی۔ امریکہ نے کروڑوں روپیہ اس غرض کے لیے دیا۔ ہم طوطے بن کر امریکہ کی زبان بولتے رہے۔ ناچ گانے اور سیکولر کلچر کے فروغ کے لیے ہمہ قسم کی آزادی تھی۔ کوشش کی گئی کہ دین اسلام کو محض انفرادی اور رسمی بنا کر اس کی عملی اجتماعی عظمت کو داغ دار کر دیا جائے۔ اسی طرح مشرف دور حکومت میں دینی نظریات کا مذاق اڑایا گیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ فروری ۲۰۰۸ء کے انتخابات میں ستائے ہوئے اور بپھرے ہوئے عوام نے مشرف اور اس کے من پسند مقتدر حواریوں کو عبرت ناک شکست دے کر روشن خیالی اور نام نہاد اعتدال پسندی کا بھرکس نکال دیا۔ مشرف کی روشن خیالی کو چند اخباری تراشوں کے حوالے سے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

kitaabiyat.blogspot.com

"روشن خیالی جو شروع شروع میں کچھ لجائی شرمائی سی تھی اب حیا باختہ چنچل دوشیزہ کی طرح چار سو چوکڑیاں بھرتی پھرتی ہے۔ اس نے کچھ اچھے خاصے معتبر گھروں میں بھی تاک جھانک شروع کر دی ہے۔ دینی شعائر جی جمائی تہذیبی اقدار، برسوں میں تشکیل پانے والے نظریات اور اسلامی فکر کی بو باس رکھنے والے معاشرتی و سماجی رویے اس کا خصوصی نشانہ ہیں۔ دینی مدارس کی مشکیں کسنا ان کے نصاب کی تطہیر، غیر ملکی طلبہ پر پابندی، قومی نظام تعلیم کی تشکیل نو "آلائشوں" سے پاک درسی کتب کی تیاری اور دو قومی نظریہ کو صرف معاشی حوالے سے دیکھنے کے علاوہ اب درس گاہوں میں رقص و موسیقی کی کلاسوں کا اہتمام بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کیونکہ امریکی کروسیڈ یہی تقاضا کرتا ہے۔ اب رقص و موسیقی کے لئے "پرفارمنگ آرٹس" کی ایک خوش رنگ اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ و طالبات کو سرکاری اہتمام میں کسی جگہ جمع کیا جاتا ہے جہاں "پرفارمنگ آرٹس" کے بینر تلے مخلوط محفلیں آراستہ ہوتی ہیں۔

گزشتہ دنوں برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیر پاکستان تشریف لائے تو انہیں فیصل مسجد لے جایا گیا۔ سورج مارگلہ کی پہاڑیوں سے ذرا اوپر کھڑا تھا اور روشن خیالی آس پاس کے کسی بارونق بازار میں موج میلہ کر رہی تھی۔ یکا یک وہ پائلیں چھنکاتی مسجد کی طرف لپکی اور اذان عصر کے لئے آن کر دئے جانے والے مائیک پر قبضہ جما کر اعلان کر دیا کہ جب تک ٹونی بلیر یہاں موجود ہے اذان نہیں دی جا سکتی۔ بعد ازاں مسجد کے "امام" نے لاکھوں روپے کے اخباری اشتہارات دے کر عوام کو مطمئن کرنے کی کوشش کی اور بتایا چونکہ مسجد میں لوگ نہیں تھے اس لئے اذان نہیں دی

گئی۔ میری معلومات کے مطابق ابھی تک کسی بھی سطح کی کوئی باضابطہ انکوائری نہیں کی گئی کہ موقع پر موجود موذن کو اذان دینے سے کس نے روکا تھا اور لاؤڈ سپیکر کے انچارج اہلکار کو کس نے فرمان جاری کیا کہ یہ بند کر دو۔ وہ جو کوئی بھی تھا مجھے یقین ہے کہ اسی چنچل روشن خیالی نے اس کے دل میں بلیئر کی خوشنودی کا ولولہ جگایا تھا اور یہی شوخ چشم اس کے دل میں عین اس جگہ جا بیٹھی تھا جہاں ایمان و ایقان کی مسند بچھی ہوتی ہے۔

فیصل مسجد کے بطن سے جنم لینے والی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بھی عجب حالت میں ہے۔ پندھویں صدی ہجری کے آغاز کے یوم اول، یکم محرم ۱۴۰۱ھ ۱۱ نومبر ۱۹۸۰ء کو یونیورسٹی کی بنیاد رکھتے وقت اس کے اغراض و مقاصد میں طے پایا تھا کہ یہ جامعہ نظریاتی، اخلاقی، فکری، اقتصادی اور ذہنی ارتقا کے افکار اور اصول وضع کرنے کے لئے اسلامی سرچشموں سے رہنمائی حاصل کرے گی۔ اسلامی کردار و شخصیت کی نمو اس کا مطمع نگاہ قرار پایا۔ اس کے مرتبہ و مقام کے پیش نظر صدر پاکستان اس کے چانسلر بنے۔ نصاب سازی اور اساتذہ کے لئے جامعہ الازہر مصر، ام القریٰ یونیورسٹی مکہ، اسلامک یونیورسٹی مدینہ، امام محمد بن سعود یونیورسٹی ریاض، شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ اور متعدد دوسری اسلامی جامعات کے ساتھ اس کا مستقل رشتہ و تعلق قائم کیا گیا۔ ۱۹۸۵ء میں اسے بین الاقوامی یونیورسٹی قرار دیا گیا۔ اسلامی ممالک کی حکومتوں، اداروں، مخیر شخصیات اور تنظیموں نے اس کی فراخدلانہ مدد کی۔ صرف مصر اس کے مختلف النوع اخراجات کی کفالت کے لئے دس لاکھ ڈالر سالانہ دیتا رہا۔ نائن الیون کے بعد یہ عظیم الشان جامعہ بھی جنگ دہشت گردی کی زد میں آ گئی۔ اسے فنڈز فراہم

kitaabiyat.blogspot.com

کرنے والے سوتے خشک کر دیئے گئے۔ امداد دینے والے اداروں اور تنظیموں پر پابندیاں لگ گئیں۔ ان کے کھاتے منجمد ہو گئے کروسیڈ کا ہراول دستہ بننے پر فخر کرنے والے حکمران بے بسی سے تماشا دیکھتے رہے اور علم کا مقدمہ بھی نہ لڑ سکے۔

گزشتہ پانچ برس کے دوران یونیورسٹی کے معاملات سے وابستہ رہنے والے ذمہ داران جانتے ہیں کہ ''روشن خیالی'' کس طرح اس جامعہ میں نقب لگا رہی ہے۔ لیکن فی الحال وہ لب بستہ ہیں۔ پندرھویں صدی کے نقطۂ آغاز پر ارفع مقاصد کے تحت قائم ہونے والی یہ جامعہ صرف ربع صدی بعد روشن خیالی کے آتشدان کی طرف دھکیلی جا رہی ہے اور اس کی زمام کا آزاد منش اور روشن خیال منتظمین کے سپرد کی جا رہی ہے۔

ڈاکٹر منظور احمد یونیورسٹی کے ریکٹر مقرر ہوئے ہیں۔ ان کا مستقل قیام کراچی میں ہے۔ اسلام آباد میں ان کی آمد ایک دو ماہ بعد ہی ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے افکار عالیہ کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ وہ اسلام کی تشریح و تعبیر کا ایک جداگانہ تصور اور مخصوص فلسفہ فکر رکھتے ہیں۔ اسی روشن خیال نقطہ نظر کے باعث وہ اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن بھی بنے اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے ریکٹر کے منصب جلیلہ پر بھی فائز ہوئے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ یونیورسٹی کو ''انتہا پسندی'' سے نجات دلا کر عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کا خصوصی مشن لے کر آئے ہیں۔ یونیورسٹی کے اساتذہ طلبا کو افکار نو سے آراستہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنے دو چار مقالات پر مشتمل کتابچے تقسیم کئے ہیں۔ ایک کا عنوان ہے ''نظریہ اور پاکستان'' اور دوسرے کا ''نیاز روشن خیالی' اجتہاد اور اسلام'' دونوں کتابچے

پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور خود یونیورسٹی کے اساتذہ حیران و پریشان ہیں کہ یہ کس فکر کی آبیاری کی جا رہی ہے۔

مجھے یونیورسٹی کی ایک طالبہ نے روتے ہوئے بتایا کہ اب اسلامی جامعہ میں بھی برقعے، حجاب اور نقاب پر منفی تبصرے ہونے لگے ہیں۔ روشن خیال انتظامیہ اور بھرتی کئے گئے نئے اساتذہ ان ''خرخشوں'' کو قدامت پسندی سے تعبیر کر رہے ہیں اور مارگلہ کے سبزہ زاروں میں رقص کرتی روشن خیالی، فیصل مسجد کے میناروں کا منہ چڑا رہی ہے۔ (عرفان صدیقی 06-12-24 روزنامہ نوائے وقت-نقش خیال)

ہمارے حکمرانوں کو تو صرف ایک ہی دھن لگی ہوئی ہے کہ لادین قوتوں کی روشن خیالی کو پروان چڑھا کر اور مسلط کر کے اس اسلامی جمہوری معاشرے میں کسی کے اندر خودی اور خودداری کے جراثیم موجود ہی نہ رہنے دیے جائیں اور انہیں غیروں کے ٹکڑوں پر پال کر غیرت و حمیت کا جنازہ نکال دیا جائے تاکہ انہیں کاسۂ گدائی پکڑنے کی عادت پڑے اور وہ بھی عالمی بھک منگوں کی طرح بے غیرتی کا راستہ اختیار کر کے انہیں کی طرح مجبور محض بنے رہیں اور ان کے کہنے پر رات کو دن اور دن کو رات تصور کرتے رہیں۔

اس روشن خیالی نے ہماری عزت و غیرت کا جنازہ ہی نہیں نکالا ہم سے انسانیت کا درد بھی چھین لیا ہے اس لئے آج دکھی انسانوں کی سسکیاں اور کراہیں بسنت کی خرمستیوں اور ویلنٹائن ڈے کی بے غیرتیوں میں ڈوب گئی ہیں۔ جب سرکاری سرپرستی میں پتنگ بازی کی ہڑبونگ کا اہتمام کیا جا رہا ہو اور ایک سرکاری ٹی وی چینل کے ذریعے ویلنٹائن ڈے منانے کی ترغیب دے کر نئی نسل کو گمراہ کیا

kitaabiyat.blogspot.com

جا رہا ہو تو بے شرمی اور بے حیائی سے معمور اس ماحول میں کس کو خبر ہوگی کہ اس کے اڑوس پڑوس میں کتنے گھرانے اور کتنے لوگ غربت اور بھوک کے مارے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر زندگی بسر کر رہے ہیں، مفلسی نے کتنی بہنوں، بیٹیوں کو اپنے دکھی خاندان کی کفالت کے لئے بازاروں میں نکل کر تماشا بننے اور اپنے چہروں پر برائے فروخت کے اشتہادات چسپاں کرنے پر مجبور کیا ہے اور بے بسی نے مجبور انسانوں کو کس طرح زندہ درگور کیا ہے۔

اگر ہم اپنی غیرت وحمیت کو تج کر اور بھک منگوں والی روش اختیار کر کے اپنی عالمی، قومی اور نجی رسوائیوں کا اسی طرح اہتمام کرتے رہیں گے اور بے غیرتی پر مبنی لادین روشن خیالی کلچر کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں گے تو پھر ہمارے مجبور محض معاشرے میں انسانی دکھوں کی ایسی کہانیاں جنم لیتی ہی رہیں گی جن میں انسانوں کی مجبوریوں پر قہقہے لگانے والے کردار تو ضرور موجود ہوں گے، ان کے زخموں پر پھاہے رکھنے والا کوئی نظر نہیں آئے گا۔ اپنی غربت اور بھوک کے اشتہار لگا کر ہم بے غیرتی کی زندگی ضرور بسر کر سکتے ہیں، اپنی خودداری کو کبھی پروان نہیں چڑھا سکتے اور زندگی کے ایسے چلن میں شاید برائے فروخت کے اشتہارات میں بھی کوئی کشش نہیں رہے گی۔ (سعید آسی 20-2-2007 روزنامہ نوائے وقت۔ بیٹھک)

میری بیٹی قرۃ العین بی کام اور ایم بی اے تک تعلیم یافتہ ہے۔ اس کے ماشاء اللہ تین بیٹے ہیں۔ ان میں سے دو سکول جاتے ہیں۔ کل وہ بہت متفکر تھی۔ اس کا کہنا تھا بچوں کی زبان بگڑ رہی ہے۔ اس کے بعد ذہن بھی بگڑ جائے گا۔ ان کے دماغ اور سوچ میں ہندو کلچر نفوذ کر جائے گا۔ میں نے سبب پوچھا۔ اس نے بتایا بچے سکول سے

گھر آنے کے بعد ٹیلی ویژن پر "کارٹون نیٹ ورک" کا چینل لگا کر بیٹھ جاتے ہیں وہ اتنا دلچسپ ہوتا ہے کہ ہٹنے کا نام نہیں لیتے۔ یہ امریکی چینل ہے جسے بھارت میں ہندی ترجمے میں ڈھال کر ہوائی لہروں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے تمام کیبل آپریٹرز بلا تکلف اسے پاکستانی ناظرین تک پہنچا دیتے ہیں۔ بچے بڑے شوق اور انہماک کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اثرات قبول کرتے ہیں۔ یوں امریکی کلچر ہندی کے الفاظ میں ڈھل کر ان کے دل و دماغ میں اتر رہا ہے۔ شانتی، پریوار، چنتا، ارتھی، وشواس، پریم اور اسی طرح کے کئی دوسرے الفاظ ان کی زبان پر رواں ہو چکے ہیں۔ ان کے اردو مترادفات سے وہ بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ الفاظ اپنے اندر ہندو مذہبی تصورات کو سموئے ہوئے ہیں۔ اس طرح کارٹون نیٹ ورک بیک وقت دو وار کر رہا ہے۔ امریکی کلچر، ہندی الفاظ اور مذہبی تصورات ہمارے نونہالوں کی سوچ کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔

اس سے نہ صرف انہوں نے اپنی نسلوں کو تفریحی پروگرام دینے کے ساتھ ساتھ محفوظ کر لیا ہے۔ بلکہ پاکستان کے معصوم بچوں کے اذہان کو اپنی زبان اور کلچر سے مسموم کر دینے کا بھی اہتمام کر لیا ہے۔ میری بیٹی کا اصرار ہے میں اپنے کالم میں ارباب بست وکشاد کی توجہ اس جانب مبذول کراؤں اگر چہ اس کا اثر نہیں ہوگا کیونکہ بھارتی تو محض ہمارے بچوں پر اپنی زبان کی یلغار کر رہے ہیں ہمارے حکومت روشن خیالی کے زعم میں مبتلا ہو کر اس پر بھی اتر آئی ہے کہ نصابی کتب میں باقاعدہ ہندو مذہب کے ساتھ آشنائی والے ابواب کا اضافہ کیا جائے۔

تقریباً ہر بھارتی ڈرامے کے اندر ہندو مذہب کی رسومات چونکہ کسی نہ کسی

kitaabiyat.blogspot.com

طریقے سے پلاٹ کا حصہ ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کے مسلسل دکھائے جانے سے پاکستانی حکومت کے نظریہ روشن خیال اعتدال پسندی کو جسے اس نے ہنری کسنجر اینڈ کمپنی کو باقاعدہ فیس ادا کر کے نعمت غیر مترقبہ کے طور پر حاصل کیا بہت تقویت ملتی ہے۔ اس کے "ارفع" مقاصد فروغ پاتے ہیں اس کے ساتھ بھارتی چینلوں کے ذریعے وہاں کے فلمی گانوں اور شراب و کباب کی محفلوں سے بھی ہمارے ناظرین کی لذت دید و شنید کا اہتمام ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہمارے حکمران خوش ہیں ان کی مرضی کے جو پروگرام پاکستان کے چینلوں سے پیش نہیں کئے جاسکتے۔ ان کی کسر بھارت کی جانب سے پوری کردی جاتی ہے۔ آخر ہمارا دوست ملک ہے اس کام میں اگر حکومت پاکستان کا ہاتھ بٹا دیتا ہے تو کون سی حرج والی بات ہے۔

(عطاالرحمٰن 20-2-2007 روزنامہ نوائے وقت۔ تجزیہ)

حکومت کی سرپرستی بلکہ امریکیوں کی نگرانی میں سڑکوں پر مخلوط میراتھن ریس کے انعقاد، بسنت جیسے خونی ہندوانہ تہوار منانے کی ضد، پارکوں، سڑکوں اور شاہی محلات کے دالانوں میں حکمرانوں کا اپنی بیگمات، بہو بیٹیوں کی موجودگی میں مخلوط رقص میں محو رقص ہونا۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ وہی کچھ ہے جس کو "روشن خیالی" اور "سوفٹ امیج" کا نام دیا جاتا ہے جسے اقتدار کی بقا کا راز سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک نئے معاشرے کی تشکیل کے تانے بانے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے قومی اسمبلی سے تحفظ حقوق نسواں کے نام پر ایک بل پاس کیا گیا۔ تمام مکاتب فکر کے علما، وکلا، صحافیوں دانشوروں اور مختلف شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے اس بل کو غیر اسلامی، غیر آئینی، غیر اخلاقی قرار دے کر مسترد کردیا۔ مذکورہ بل کے خلاف ہر سطح پر زبردست

احتجاج ہوا۔ سڑکوں بازاروں میں، مسجدوں اور چوپالوں میں اور اخبارات کے صفحات پر غم و غصے کی ایک لہر تھی۔ مذمت، مخالفت اور احتجاج کچھ کام نہ آیا۔ احتجاج کرنے والے لکیر پیٹتے رہے، سانپ گزر گیا اس انداز سے گزرا کہ معاشرے کے وجود میں اپنا زہر اتار چکا۔

"روشن خیالی" کا علم بردار ٹولہ بندوق اور گن شپ ہیلی کاپٹروں کے سائے میں بڑی برق رفتاری سے اسلامی تہذیب اور اس کی اقدار کو پامال کر رہا ہے۔ ایک نئے "روشن خیال" معاشرے کی تشکیل ان کی اسائنمنٹ ہے۔ اس ٹولے کی رفتار اتنی تیز اور داؤ پیچ اتنے نئے ہیں کہ روایتی مزاحمت کار (علما اور اسلامی تنظیمیں) ان کا بروقت ادراک نہیں کر پا رہے۔ مزاحمت کار جب تک داؤ کو سمجھتے ہیں اس وقت تک وہ چل چکا ہوتا ہے بلکہ گل کھلا چکا ہوتا ہے بقول شاعر۔

وہ بازی جیت جاتا ہے میرے چالاک ہونے تک

سب سے زیادہ خطرناک ہمارا یہ رویہ ہے کہ ہم برائی کے خلاف احتجاج تو کرتے ہیں لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد ہمارے کان ان کے عادی ہو جاتے ہیں اور ہماری آنکھیں اس سے مانوس ہو جاتی ہیں اور ذہن ان کو "معمول" سمجھ کر بھول جاتا ہے۔ تحفظ نسواں بل کی صورت میں فحاشی و عریانی کا سیلاب بھی تھوڑے سے احتجاج کے بعد ہم نے معمول سمجھ کر نظر انداز کردیا۔ حالانکہ یہ 'معمول' کی بات نہیں ہے۔ موجودہ حالات طوفان کا وہ تند و تیز ریلا ہے جو کسی سونامی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو دو خبریں اور ایک شہری کا ایڈیٹر کے نام خط جو اس طوفانی ریلے کی "ہلکی پھلکی" جھلکیاں ہیں۔ پہلی خبر یہ ہے کہ تحفظ نسواں بل کے پاس ہونے پر طوائفوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی اور مٹھائی تقسیم کی۔

kitaabiyat.blogspot.com

13 دسمبر 2006ء کی ایک اور خبر کے مطابق تحفظ نسواں بل کی منظوری کی خوشی میں اٹک کے ایک نوجوان ملک عثمان ولد محمد یوسف اٹک کے ایک گنجان آباد تجارتی مرکز کے وسط میں واقع تاریخی فوارہ چوک میں برہنہ رقص کیا اور صدر مشرف' حقوق نسواں بل' بینظیر بھٹو وزیراعظم شوکت عزیز' مسلم لیگ کی حکومت' امریکی صدر بش' کشمالہ طارق اور سمیرا ملک زندہ باد کے نعرے لگائے۔ نصف گھنٹے تک جاری رہنے والے برہنہ رقص کو دیکھنے کے لئے عوام کا جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ اس کے بعد 9 جنوری 2007 کے روزنامہ نوائے وقت میں لاہور سے تعلق رکھنے والے سید محمد بابر شاہ کا مراسلہ شائع ہوا ملاحظہ ہو" مکرمی! شام کے چار بجے تھے ہم اپنی بیگم کو ساتھ لے کر لاہور کے ایک پارک میں واک کے لئے گئے اور بھی بہت سے مرد وخواتین اور بچے سیر و تفریح میں مشغول تھے۔ اور سورج کی ہلکی تمازت کو انجوائے کر رہے تھے۔ میری بیٹی اور اس کا دو سالہ بیٹا بھی وہیں آ گئے۔ ہم نے دیکھ کہ ایک نوجوان تقریباً 24,25 سال کا بغیر آستین کے کے ٹی شرٹ اور کالے رنگ کی پینٹ پہنے ہلکی ہلکی جوگنگ کر رہا ہے۔ تھوڑا پیچھے سے ایک 19,18 سال کی لڑکی کانوں میں ہیڈ فون لگائے چست ولایتی جامہ پہنے بھرپور جوگنگ کرتی ہوئی آئی۔ جوں ہی وہ آئی نوجوان کے پاس سے گزری ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہم لوگ دیکھتے ہی رہ گئے۔ وہاں موجود سکیورٹی گارڈ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ بھاگتا ہوا آیا اور با آواز بلند کہا کہ صاحب یہ کوئی پیرس نہیں ہے آپ کیا کر رہے ہیں"۔ ان دونوں نے اسی طرح لپٹے ہوئے حیرانگی اور حقارت سے گارڈ کی طرف دیکھا جس پر اس نے ہمت کی اور ان کو اک دوسرے کے "پنجوں" سے چھڑایا۔

ان کے جواب بھی سن رہے ہیں کہ کیا مرد عورتیں اکٹھے ہوائی جہاز میں سفر نہیں کرتے کیا دفتروں میں اکٹھے کام نہیں کرتے کیا اکٹھے شاپنگ نہیں کرتے تو اکٹھے بھاگ لیا تو کیا ہوا؟ اور پھر یہ بھی تو کہا گیا کہ جنہیں شرم آتی ہے یا جنہیں نہیں دیکھنا تو وہ گھر میں بیٹھیں یا منہ پرے کر لیں۔ ہم تو گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اگر لبرلزم اور ماڈرن ازم ہمارے پارکوں' ہماری سڑکوں یعنی ہمارے گھروں میں آ جائے تو پھر ہم کیا کریں؟ کیا گھروں سے نکل کر ویرانوں میں چلے جائیں یا حضرت اکبر الہ آبادی کے مطابق

میں نے تو یہ سوچ رکھا ہے کہ اکبر آج سے
خانقاہ میں بیٹھ جاؤ ڈٹ کے قوالی سنو

(حمید اللہ خٹک 20-2-2007 روزنامہ نوائے وقت)

نئی دہلی سے لاہور پہنچنے والی سڑی جلی کٹی سمجھوتہ ایکسپریس کے زخم خوردہ مسافروں نے اس ٹرین میں دھماکوں اور آتشزدگی کے جو دلدوز واقعات سنائے ہیں اور تخریب کاری کے اس سانحہ کے جو شواہد سامنے آئے ہیں' اس سے محسوس یہی ہو رہا ہے کہ یہ دہشت گردی کا کوئی معمول کا واقعہ نہیں ہے بلکہ متعصب ہندو ذہنیت کے ایک طے شدہ منصوبے کے تحت سمجھوتہ ایکسپریس کے صرف ان بوگیوں کو ٹارگٹ کیا گیا تھا جن میں پاکستانی اور مسلمان مسافر سوار تھے۔ اس سانحہ کے بعد بھی مکار ہندو بنیا سے دوستی کی بات کرنا کیا ہمارے بے حسی کے زمرے میں نہیں آتا جبکہ اس عظیم انسانی المیہ کے بعد بھی اور کوئٹہ کچہری میں دہشت گردی سے انسانی دکھوں کے دلدوز مناظر دیکھ کر بھی ہم بسنت کی خرمستیوں کو نہیں بھولے اور اس کی آڑ میں ہندوانہ فضول کلچر ہی کو فروغ نہیں دے رہے' مغرب کے لادین روشن خیال کلچر کو بھی اپنے اسلامی معاشرے پر مسلط کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

(فروری 2007 روزنامہ نوائے وقت - اداریہ)

kitaabiyat.blogspot.com

رچرڈ باؤچر جنوبی ایشیائی امور کے لئے امریکہ کے نائب وزیر خارجہ ہیں۔

انہوں نے بھارتی جریدے ڈیلی نیوز کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ امریکہ نے صرف ایک سال میں پاکستان کے تعلیمی سیکٹر پر ایک سو ملین ڈالر یعنی چھ سو کروڑ روپے کے لگ بھگ سرمایہ کاری کی ہے اور ساتھ ہی انہوں نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ پاکستان کو ایک اعتدال پسند‘ روشن خیال اور جمہوری ملک بنانا ہے۔

دوسرے لفظوں میں رچرڈ باؤچر ہمیں ڈالروں کے زور پر امریکی انداز کا اعتدال پسند اور روشن خیال ملک بنانا چاہتے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے ذرا سوچئے کہ امریکہ خود کتنا اعتدال پسند‘ روشن خیال اور دلدادۂ جمہوریت ملک ہے۔ امریکہ کی اعتدال پسندی تو ان خوں ریز کاروائیوں سے ظاہر ہے جو عراق اور افغانستان میں لاکھوں لوگوں کی ہلاکت‘ ناجائز اسرائیلی حکومت کی اندھادھند حمایت اور جنوبی امریکہ سمیت دنیا کے ہر اہم حصے کے معاملات میں بزورِ شمشیر مداخلت کی شکل میں نظر آ رہی ہے۔ امریکہ کی روشن خیالی کو دیکھنا ہو تو ان سماجی اور تمدنی رجحانات کو دیکھیے جن کی طرف یہ روشن خیالی امریکہ کے معاشرے کو لے جا رہی ہے۔

چند تیزی سے پھیلتے ہوئے رجحانات یہ ہیں غیر شادی شدہ اکیلی ماؤں اور باپوں کی تعداد میں دن بدن اضافہ اور حکومت کی طرف سے ان کی باقاعدہ ماہانہ مالی اعانت اور رعائتیں‘ قوم لوط کے پیروکار ہم جنس جوڑوں کی شادیوں کی قانونی طور پر اجازت‘ سکولوں کی سطح پر بھی جنسی تعلقات کی فراوانی‘ اعلیٰ ملازمتوں اور مالی اداروں کے حوالے سے نسل‘ رنگ اور مذہب کی بنا پر واضح امتیازات‘ حضرت عیسیٰ اور بائبل کی تعلیمات سے روز افزوں دوری بلکہ اس کے برعکس اعمال‘ اخبارات و

رسائل‘ ٹی وی چینلز اور ٹاک شوز میں غیر ملکیوں اور خاص کر مسلمانوں اور اسلامی تعلیمات کا کھلم کھلا استہزا۔

امریکہ کی مزعومہ اعتدال پسندی اور روشن خیالی کسی طور پر بھی ہمارا یا پوری انسانیت کا آئیڈیل نہیں بن سکتی۔ آئیڈیل تو وہ افکار کردار بن سکتے ہیں جو روشن ضمیری سے پھوٹیں۔ جن میں بالادستی اور تکبر کا جنوں نہ ہو۔ جنہیں نسل‘ رنگ‘ مذہب‘ زبان وطن کے جھمیلوں سے کوئی غرض نہ ہو اور احترام آدمیت جن کا محور مرکز ہو۔

(ڈاکٹر رفیق احمد 26-4-07 روزنامہ نوائے وقت)

جنونیت آج ہمارے سروں پر سوار ہوتی جا رہی ہے وہ ان ادوار میں کبھی اتنا بڑا حکومتی یا معاشرتی مسئلہ نہیں بنی تھی اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس کا سبب یہ تو نہیں کہ انتہا پسندی انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے۔ جنرل مشرف کی روشن خیالی پاکستانی معاشرے کے عمومی عقائد و خیالات اور اصلی مزاج کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ ان کی روشن خیالی کا برانڈ باہر سے برآمد کیا گیا ہے۔ یہ مسلط کردہ ہے اس میں مغربی تہذیب کے جو مثبت پہلو ہیں یعنی جدید علم و ہنر اور سائنس کے کمالات‘ ان کے حصول کی جانب کم کوشش کی جاتی ہے۔ زیادہ تر توجہات اس تہذیب کے لچر پہلوؤں کو معاشرے کے اندر رواج دینے اور نمایاں کرنے پر مرکوز رہتی ہیں۔ اس طرح امریکہ اور مغربی یورپ کی حکومتوں کو خوش کرنے کا سامان تو ہو رہا ہے جنرل صاحب تہذیبوں کے تصادم کے اس دور میں ان کے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں اور ان پر برپا کردہ جنگ کے فرنٹ لائن جرنیل ہیں‘ لیکن یہ سارا کام ہمارے معاشرے اور ریاست پر پڑنے والے منفی نتائج و عواقب سے بے پرواہ ہو کر کیا جاتا ہے۔

(عطاالرحمٰن 22-2-07 روزنامہ نوائے وقت)

kitaabiyat.blogspot.com

بلاشبہ پاکستان ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور انتخاب کسی نام نہاد روشن خیالی اور کسی خیالی انتہاپسندی کے درمیان نہیں بلکہ سیدھے سیدھے فوجی آمریت' شخصی حکمرانی' امریکہ کی سیاسی اور معاشی غلامی اور خدانخواستہ بالآخر بھارت کی علاقے پر بالادستی اور ملت اسلامیہ پاکستان کی حقیقی آزادی سے محرومی کے مقابلے میں ملت اسلامیہ پاکستان کے دینی اور تہذیبی تشخص کی حفاظت اللہ کی حاکمیت کے تحت عوام کی حکمرانی' پارلیمنٹ کی بالادستی اور قانون اور انصاف کے قیام کے درمیان ہے۔ 2007ء فیصلے کا سال ہے۔ قائداعظم کی رہنمائی میں سات برس میں ہم نے پاکستان حاصل کر لیا تھا اور جنرل پرویز مشرف کی حکمرانی میں ان سات برسوں میں پاکستان ہر اعتبار سے اپنے اصل مقاصد سے دور اور ایک نئی غلامی اور محکومی کی گرفت میں آ گیا ہے جس سے نجات ہی میں اب پاکستان کی بقا اور اس کی ترقی کا امکان ہے۔

دستور میں سب سے پہلے اللہ سے وفاداری اور اسلامی نظریے کی پاسداری کا حلف ہے مگر روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے نام پر اللہ کے احکام اور اسلام کی واضح تعلیمات سے انحراف کیا جا رہا ہے۔ شراب جس کا استعمال دستور اور قانون کے تحت جرم ہے' اب کھلے بندوں منگوائی جا رہی ہے اور ہوٹلوں اور دعوتوں میں جام لنڈھائے جا رہے ہیں۔ زنا اب جرم نہیں رہا اور اللہ کی حدود کو پامال کیا جا رہا ہے۔ سود جسے شرعی عدالتوں نے ختم کرنے کا فیصلہ دیا تھا اس کی بنیاد پر سارا نظام چلایا جا رہا ہے۔ بے حیائی اور فحاشی کو عام کیا جا رہا ہے اور اس کا نام روشن خیالی رکھا گیا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ جو فوج کا آج بھی رسمی موٹو ہے' اس کا ذکر بھی زبان پر لانے سے لرزہ طاری ہے۔ اور قسمیں کھا کھا کر کہا جا رہا ہے کہ جہاد سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ہر جہادی

تنظیم گردن زدنی ہے۔ نصاب تعلیم سے جہاد کا ہر ذکر خارج کیا جا رہا ہے۔ اگر بس چلے تو نعوذ باللہ قرآن پاک میں بھی ترمیم کر کے ان تمام آیات کو نکال دیا جائے جو جہاد کے بارے میں ہیں۔ اسلامیات کے نصاب کو بھی بدلا جا رہا ہے اور دوسرے تمام مضامین سے اسلام اور اسلامی تاریخ و ثقافت کے ذکر کو خارج کیا جا رہا ہے اور وزیر تعلیم جو ماشاءاللہ سابق جرنیل بھی ہیں اور امریکہ سے تعلیمی اصلاحات کے لئے سند جواز بھی لے آئے ہیں' فرماتے ہیں کہ ''نصاب تعلیم پر تنقید کرنے والے مکار اور منافق ہیں' 'اور'' یہ لوگ ملک کو چھٹی صدی میں دھکیلنا چاہتے ہیں''

قرآن میں چالیس پاروں کی بات کرنے والے وزیر تعلیم کو کیا پتہ کہ چھٹی صدی تو دور جاہلیت کی صدی ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کا انقلاب تو ساتویں صدی میں آیا۔ دور رسالت مآب ﷺ اور خلافت راشدہ ہی کا زمانہ مسلمانوں کے لئے ہمیشہ معیار اور ماڈل رہا ہے رہے گا۔

امت کا قبلہ آج کے حکمرانوں اور انکے امریکی آقاؤں کی تمام خواہشات کے باوجود انشاءاللہ یہی رہے گا۔ حال ہی میں وزارت تعلیم نے جو وائٹ پیپر شائع کیا ہے وہ اس فکر سے ذرا بھی مختلف نہیں جو اس سے پہلے سکندر مرزا اور ایوب خاں جیسے لوگ پیش کرتے رہے ہیں اور جس طرح انکے مذموم منصوبے عوام کے دباؤ میں پادر ہوا ہوئے اس طرح ان انشاءاللہ آج کے جرنیلی حکمرانوں کے عزائم بھی خاک میں ملیں گے۔

ایک دوراہا یہ بھی ہے کہ اس قوم کی منزل محمد ﷺ کا لایا ہوا دین اسلام ہے یا اسلام کا وہ نمونہ جو بش اور اس کے حواریوں کے لئے قابل قبول ہو اور جو تصوف کی ایسی شکل اختیار کر لے جس سے باطل کی قوتوں اور سامراجی طاقتوں کو کوئی خطرہ نہ ہو۔ اقبالؒ نے ایسے ہی روشن خیال اور اعتدال پسندی کے علم برداروں کے بارے میں کہا تھا۔

kitaabiyat.blogspot.com

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
فقط نیام ہے تو زر نگار و بے شمشیر

اور شاید آج کے جرنیلی حکمرانوں ہی کو خطاب کر کے اقبال نے کہا تھا۔

اے مرد خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
مسکینی و محکومی و نومیدی جاوید
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد

(پروفیسر خورشید احمد 07-2-14 روزنامہ نوائے وقت- پاکستان دوراہے پر)

مغربی الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا تمام دنیا پر چھا چکا ہے۔ لہذا مشرقی ممالک بھی اس مادی کلچر کی لپیٹ میں آ رہے ہیں۔ پاکستان بھی اسی مغربی حسی تمدن کا شکار ہو رہا ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ حکومتی سطح پر لبرل ازم، آزاد خیالی، اسلام پسندی اور مغرب نوازی کی صف بچھائی جا رہی ہے۔ تا کہ اس وطن کے لوگ مغربی فلسفہ وفکر اور مغربی طرز معاشرت کے گن گانے لگیں۔ لہٰذا خاص طور پر ہمارا الیکٹرانک میڈیا مغربی ثقافت کی چھاپ لگا رہا ہے۔ بے ہودہ، بے مقصد اور آوارہ مزاجی طرز کے پروگرام دکھائے جا رہے ہیں جن سے فحاشی، عریانی، اور بدتہذیبی کے نقوش ابھر رہے ہیں اسے ماڈرنزم، اعتدال پسندی روشن خیالی اور Soft Image کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ جو اخلاقی اور روحانی اقدار پر چل کر زندہ رہنا چاہتے

ہیں۔ جو اسلامی تہذیب وتمدن کے ستون کو گرتا ہوا نہیں دیکھنا چاہیے۔ جو خدا اور رسولؐ کی بات کرتے ہیں اور مسلمان بن کر تہذیب مغرب کے بالمقابل خدا یقینی اور خود یقینی کے ساتھ ابھرنے کی آرزو رکھتے ہیں انہیں ''انتہا پسند'' اور ''جنونی'' کہا جاتا ہے کیا پاکستان اسی لیے بنایا گیا تھا کہ یہاں روشن خیال کا پرچم گاڑھا جائے۔ اقبال نے الہ آباد کے اجلاس میں برملا کہا تھا کہ ہم برصغیر میں ایسا خطہ حاصل کرنا چاہتے ہیں جہاں اسلامی تمدن کو فروغ دیا جا سکے۔ گویا مدنیت اسلام کا احیا ہی بنیاد پاکستان تھا نہ کہ مغربی تہذیب کا حصول دلفریبی۔

اسلام کے اندر روشن خیالی پنہاں ہے اور یہ حقیقت صریحہ ہے کہ اسلام سے زیادہ کوئی اور دین روشن خیالی کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے البتہ مغربی طرز کی بے پدر و مادر اور بے لگام روشن خیالی جو کہ الحادی فلسفوں، اور جدید علوم وفنون کی کوکھ سے نکلی ہے جس کا دارومدار تجرباتی، تجزیاتی، مشاہداتی اور عقلی بنیادوں پر ہے اس کی بنیاد یونان اور روم کے مشرکانہ کلچر پر استوار کی گئی ہے یہ روشن خیالی فقط عقلی کی آنکھ سے تو دیکھتی ہے مگر وحی کی روشنی اسے نصیب نہیں۔ سوز وعشق، جذب وجدان اور جنون ومعرفت تبھی نصیب ہوں گے جب مغرب کی عقل کی آنکھ وحی کی روشن سے دیکھے گی۔

اسلام روحانیت اور مادیت کا حسین ترین امتزاج ہے بقول اقبال۔

خیز و نقش عالم دیگر بنہ
عشق را با زیرکی آمیز دہ

kitabiyat.blogspot.com

کتابیات وحوالہ جات

۱۔ خطبہ حجتہ الوداع۔ اشاعت۔ حکیم محمد سعید بانی ہمدرد ٹرسٹ پاکستان۔

۲۔ سیرت النبیؐ۔ رحمتہ العالمین جلد سوم۔ فیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور۔

۳۔ کلیات اردو اقبال۔

۴۔ اقبال کا نظام اقتدار۔ پروفیسر محمد فروز شاہ۔ مجلہ ماہ نو اقبال نمبر ۲۰۰۲ء

۵۔ اقبال اور قرآن از پرویز ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور۔

۶۔ روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۰۶۔۱۲۔۲۴۔ کالم از عرفان صدیقی۔

۷۔ روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۰۷۔۲۔۲۰۔ از سعید آسی کالم بیٹھک۔

۸۔ عطاالرحمٰن۔ کالم تجزیہ۔ نوائے وقت ۰۷۔۲۰۔۰۷ ۲۰۰۷ لاہور۔

۹۔ حمید اللہ خٹک نوائے وقت ۰۷۔۲۰۔۰۷ ۲۰۰۷ لاہور۔

۱۰۔ اداریہ نوائے وقت ۲۱ فروری ۲۰۰۷۔ لاہور۔

۱۱۔ ڈاکٹر رفیق احمد نوائے وقت لاہور ۰۷۔۰۴۔۲۶

۱۲۔ عطاالرحمٰن ۰۷۔۲۔۲۲ نوائے وقت لاہور۔

۱۳۔ پروفیسر خورشید احمد نوائے وقت ۰۷۔۲۔۱۴۔ پاکستان دوراہے پر۔

kitaabiyat.blogspot.com